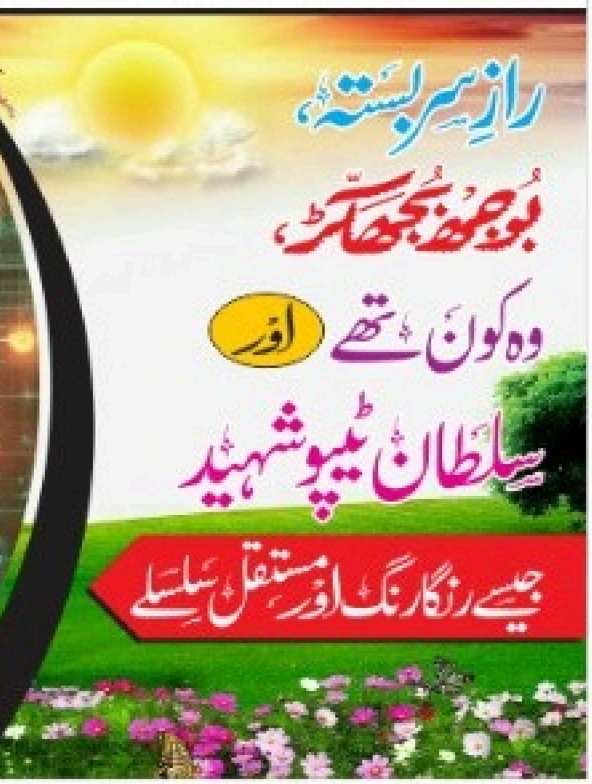

ماہنامہ
مسلمان بچے
206
لاہور
ربیع الثانی ۱۴۴۶/اکتوبر 2024
یالطیف
وعدہ
ایک سچا عزم


سچی مخلوق
اے آئی ٹیکنالوجی سے جڑی ایک کہانی


رازِ سربستہ
بوجھ بجھکڑ
وہ کون تھے
اور
سلطان ٹیپو شہید
جیسے رنگارنگ اور مستقل سلسلے

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ بمطابق اکتوبر 2024ء

شمارہ: 4 جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرِ تعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابنِ مبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا، پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

(الاحزاب)

حمد باری تعالیٰ

وہی آقا وہی مولا مقدر جو بناتا ہے
نظامِ کل جہاں کو وہ اکیلا ہی چلاتا ہے
وہ مالک آسمانوں کا زمینوں کا بھی مالک ہے
ہیں مخلوقات جتنی بھی سبھی کا ہی وہ داتا ہے
پرندوں کا چرندوں کا درندوں کا سبھی کا ہی
ہے رازق وہ خدا سب کا غذا سب کو کھلاتا ہے
اگر مشکل کبھی آئے خدا کو یاد کرنا سب
وہی تو مشکلوں میں ہی سبھی کے کام آتا ہے
نہ آئی ہے نہ آئے گی کمی اس کے خزانوں میں
عطاؤں سے غنی کر دے جو اس کے در پہ آتا ہے
مقابل میں کبھی کوئی خدا بن کر جو آ جائے
نشانِ تخت اس کا پھر تکبر سے مٹاتا ہے
کرو تم دوستی رب سے نہیں کرتی وفا دنیا
عذابِ قبر سے عابدؔ فقط رب ہی بچاتا ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی شخص صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر نہ چلے یا دونوں پاؤں ننگا رکھے یا دونوں میں جوتا پہنے۔ (صحیح بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

لفظوں میں اُن کا نقشِ پا دکھائی دے
نعت نبی ﷺ کہوں تو مدینہ دکھائی دے
ہر دم ہو جس کو رحمتِ عالم ﷺ تیرا خیال
طوفان میں بھی اُس کو جزیرہ دکھائی دے
نعت نبی کے ساتھ میں پڑھتا رہوں درود
مجھ کو یہی نجات کا رستہ دکھائی دے
ساری نہیں یہ حُسن محمد ﷺ کی روشنی
سورج تو اُن کا نقشِ کفِ پا دکھائی دے
دریا پہ چل کے جاؤں گا ارضِ حجاز تک
مجھ کو تو پانیوں پہ بھی رستہ دکھائی دے
پھر وقت ہوگیا ہے اذانِ بلال کا
صحرائے زندگی مجھے سُونا دکھائے دے
سوچوں تمام دن درِ اقدس کو میں قمرؔ
آتے ہی نیند گنبدِ خضریٰ دکھائی دے



ایک دُعا یاد کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی نعمت سے اچھی
چیزیں مکمل ہوتی ہیں۔

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قطع تعلق کرنے والا جنت
میں داخل نہیں ہوگا۔

لکھتے ہیں تیرے غم میں نظم

لکھتے ہیں تیرے غم میں نظم مسجدِ اقصیٰ
بے بس تو ہیں بے حِس نہیں ہم مسجدِ اقصیٰ

نبیوں کی امامت کے لیے تجھ میں کھڑے تھے
معراج کی شب شاہِ اُمم مسجدِ اقصیٰ

ابن جموح سا جوش نہیں قلب میں لیکن
مانگی ہے دُعاء دیدہِ نم مسجدِ اقصیٰ

حالات کی زنجیر ہے پاؤں میں ہمارے
بزدل نہیں اللہ کی قسم مسجدِ اقصیٰ

غفلت میں گرفتار ہیں لیکن نہیں بُھولے
حضرت عمر کے نقشِ قدم مسجدِ اقصیٰ

جو تیری محبت میں لڑے تیرے عدُو سے
برسے گا اُس پہ ابرِ کرم مسجدِ اقصیٰ

کچھ سر پھرے لڑتے ہوئے تجھ پر فدا ہوئے
ہم بھی کریں تاریخ رقم مسجدِ اقصیٰ

ہم پاک و ہند والے تیرے ہوں گے مُقتدی
ہر اک حصار ہوگی ختم مسجدِ اقصیٰ

(ان شاء اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

پیارے مسلمان بچو!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج کل ہمارا زیادہ تر فارغ وقت مختلف کھیلوں میں گزرتا ہے۔ ان کھیلوں میں خاص طور پر ویڈیو گیمز اور کرکٹ سرفہرست ہیں۔ جس طرح کسی بھی چیز کی زیادتی بسا اوقات بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح ان لا یعنی کھیلوں نے ہمارے ذہن اور جسم پر بُرے اثرات چھوڑے ہیں۔ جن میں چڑچڑا پن، موٹاپا، ذہنی کوفتگی، تعلیم میں خلل کا واقع ہونا شامل ہیں۔

یاد رکھیں کہ اسلام نے کبھی بھی کھیلوں سے منع نہیں کیا مگر وہ کھیل با مقصد ہونے چاہییں۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں جہاں ایک طرف عقائد، عبادات، معاشرت و معاملات اور اخلاقیات و آداب کے اہم مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے، وہیں اخلاقی حدود میں رہ کر کھیل کود، زندہ دلی، خوش مزاجی اور تفریح کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے، بلکہ بعض اوقات بعض مفید کھیلوں کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ اسلام سستی اور کاہلی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے توانا وتندرست مومن کی تعریف فرمائی ہے:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کمزور مومن کے مقابلے طاقتور وتوانا مومن بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح مسلم)

اسلام ان تمام کھیلوں کی اجازت دیتا ہے، جس سے جسم کو صحت حاصل ہوتی ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی ہو، جیسے: گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، کُشتی اور تیراکی وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی ترغیب دی ہے۔

یہ کھیل نہ صرف مستحب اور پسندیدہ ہیں بلکہ بعض اوقات ان میں سے بعض کی اہمیت وجوب تک پہنچ جاتی ہے۔نشانہ بازی، چاہے وہ تیر کے ذریعہ ہو یا نیزہ، بندوق اور پستول یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ۔احادیث میں اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور اس کے سیکھنے کو باعثِ اجر وثواب قرار دیا گیا ہے۔گھڑسواری کا کھیل بھی اسلام کا پسندیدہ کھیل ہے، اس سے بھی جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت وجرأت اور بلند حوصلہ جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں اور سفر میں اور جہاد میں بھی خوب کام آتا ہے۔تیرنے کی مشق ایک بہترین اور مکمل جسمانی ورزش اور زبردست کھیل ہے، جس میں جسم کے تمام اعضاو جوارح کی بھرپور ورزش ہوتی ہے، یہاں تک کہ سانس کی بھی ورزش ہوتی ہے۔اسی طرح کراٹے سیکھنا، دوڑ کر مقابلہ کرنا اور کشتی سیکھنا یہ سب بہت اچھے کھیل ہیں۔احادیث میں ان تمام کھیلوں کے درجنوں فضائل وارد ہوئے ہیں۔

پیارے بچو! درحقیقت یہ وہ کھیل ہیں جو ہمیں اس زمانے میں کھیلنے چاہئیں۔مختلف گیمز کھیلنا اور ان میں مہارت حاصل کرنا کوئی فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہیں۔ہر شہر میں گھڑسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور کشتی وغیرہ کے بہت سے مراکز ہوتے ہیں۔وہاں جائیں داخلہ لیں اور آج سے ہی ان پاکیزہ اور صحت مند کھیلوں کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔

والسلام

ابو عروہ

وعدہ

محمد فیصل علی

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ موسم آہستہ آہستہ کروٹیں بدل رہا تھا۔ گرمی کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ یہ ایک دیہی علاقہ تھا جس میں بچوں کا واحد مڈل اسکول تھا۔

جیسے ہی چھٹی کی گھنٹی بجی، بچے گیٹ سے یوں باہر نکلے جیسے اچانک شہد کی مکھیاں چھتہ چھوڑ کر جھالر کی صورت میں اُڑتی ہیں۔ وہ قریباً دوڑتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کا رخ کر رہے تھے۔

اصغر، عزیز اور شیراز بھی انہی بچوں میں شامل تھے لیکن ان کی رفتار میں تیزی نہیں تھی۔

وہ تو خراماں خراماں چلتے ہوئے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کپاس کے کھیتوں کے درمیان ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔

کپاس کے کھیت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور دور سے روئی کے سفید سفید گالے دیکھ کر یوں گماں ہوتا تھا جیسے یہاں برف باری ہوئی ہو۔

"آج بھی کوئی نہیں نظر آ رہا؟" اصغر نے سرگوشی کی

"چلو شروع کرتے ہیں" شیراز نے اپنا بیگ اتارتے ہوئے کہا۔ عزیز نے بھی سر ہلایا اور پھر وہ



تینوں کپاس کے کھیت سے روئی چننے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک کلو کے برابر روئی جمع کر چکے تھے۔انہوں نے روئی ایک بیگ میں ٹھونسی اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے۔

اب منصوبے کے مطابق شیراز نے چچا دینو کی دکان پر روئی فروخت کی اور وہاں سے سگریٹ کا پیکٹ اور کولڈ ڈرنکس لے کر اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل دیا جہاں اس کے دوست اس کے منتظر تھے۔

☆☆☆☆☆

وہ تینوں ہشتم جماعت کے طالب علم تھے۔ سگریٹ کی لت انہیں عامر نے لگائی تھی۔عامر ان کا ہم مکتب ساتھی تھا جو اب سکول چھوڑ کر موٹر سائیکل کی ورکشاپ پہ کام سیکھ رہا تھا۔گھر اور سکول میں کسی کو بھی پتا نہیں تھا کہ وہ سگریٹ نوشی شروع کر چکے ہیں۔

سگریٹ نوشی کی اس عادت نے انہیں چوری کے راستے پر لگا دیا تھا۔اب جس چیز پر ان کا داؤ چلتا، موقع ملتا تو یہ اسے اڑا لیتے اور کسی کو کانوں کان خبر ہونے سے پہلے بیچ دیتے تھے۔مگر اس دن کا سورج ان کے لیے ہدایت کی کرنیں لے کر طلوع ہوا تھا۔جیسے ہی وہ سکول پہنچے، انہیں غیر معمولی گہما گہمی نظر آئی۔سننے میں آیا کہ آج یہاں کسی بڑے تعلیمی آفیسر کا دورہ متوقع ہے۔

سکول کے اساتذہ و دیگر عملہ پوری طرح مستعد تھا۔طالب علم "چشم بر آواز" تھے اور متواتر گیٹ کو تک رہے تھے۔آخر کار ان کا انتظار ختم ہوا اور بڑی بھاری گاڑیوں کے جلو میں محکمہ تعلیم کے سیکرٹری ڈاکٹر احتشام انور آن پہنچے۔ان کا پرتپاک طریقے سے استقبال کیا گیا۔ڈاکٹر صاحب نے سکول کا جائزہ لیا اور پھر بچوں سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔اساتذہ کرام نے سب بچوں کو اسمبلی گراؤنڈ میں جمع کیا اور پھر ڈاکٹر صاحب بچوں سے یوں ہم کلام ہوئے:

"عزیز طلبہ!

السلام علیکم!

جس طرح ہم پودے لگا کر ان کا خیال رکھتے ہیں تاکہ یہ بڑے درخت بن جائیں اور ہمارے کام آئیں، اسی طرح آپ سب بھی علم کے پودے ہیں جو کل کو تن آور درخت کا روپ دھار لیں گے۔جس طرح ہم اپنے پودوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ انہیں کوئی بیماری نہ لگے اسی طرح آپ سب کو بھی تمام قسم کی معاشرتی برائیوں سے بچا کر بڑا کرنا ہمارا خواب ہے۔یہ سکول آپ کو یہی سکھانے کے لیے ہیں کہ آپ ہمارا کل ہو لہٰذا اپنا بھرپور خیال رکھیے۔آپ ہی ہیں جو پڑھ لکھ کر اپنے علاقے کی تقدیر بدل سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔آج مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ دل لگا کر پڑھیں گے اور تمام قسم کی معاشرتی برائیوں سے دور ہو جائیں گے جیسا کہ نشہ کرنا، کبوتر بازی، جوا اور

آوارہ گردی وغیرہ۔وعدہ کرتے ہیں آپ؟“

”یس سر!“

”وعدہ سر!“ بچوں نے بیک زبان کہا۔ان کی آواز اور پھر تالیوں نے سکول کے احاطے میں گونج پیدا کر دی تھی۔

☆☆☆☆☆

”اب کیا کرنا ہے؟“

شیراز سر جھکائے بولا

”کرنا کیا ہے، وعدہ کیا ہے ہم نے، وعدہ پورا کرنا ہی ایمان ہے ،پرسوں ہم نے یہ حدیث پڑھی تھی نا کہ” جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا، اس کا ایمان نہیں“لہٰذا آج سے میں تو یہ سب کام چھوڑ رہا ہوں۔“اصغر نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی۔

”اور ہم کون سا ٹھیٹ قسم کے نشئی ہیں۔ابھی ایک ماہ ہی تو ہوا ہے یہ مصیبت پالے ہوئے۔ دفع کرتے ہیں اسے۔“عزیز مسکرایا

تینوں نے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر ایک عزم کیا اور گھر کی جانب چل دیئے۔اُن کے اُٹھتے قدموں کی چاپ میں اقبال کے اس شعر کی گونج سنائی دے رہی تھی:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

لفظ لفظ معتبر

ثنا جاوید

☆ زندگی میں مشکل ترین وقت آپ کے ظرف کا امتحان ہے جب لوگ اپنی اوقات دکھاتے ہیں۔

☆ کوئی آپ سے دو قدم پیچھے ہٹے تو آپ اُسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دے کر چار قدم پیچھے ہٹ جائیں، زندگی سکون سے گزرے گی۔

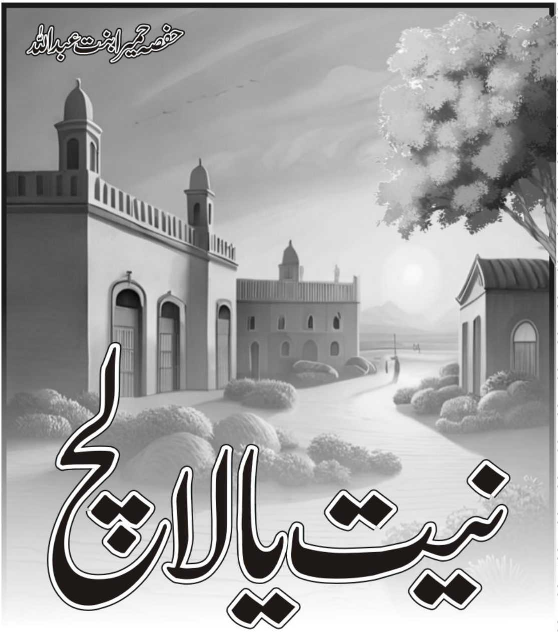
☆ ہر اِنسان میں خُوبی اور خَامی دونوں موجود ہوتے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ جو تراشتا ہے اُسے خُوبی نظر آتی ہے اور جو تلاشتا ہے اُسے خَامی نظر آتی ہے۔

☆ خود پر یقین ہونا کامیابی کی ضمانت ہے، مگر خود کو ہمیشہ درست سمجھنے کا یقین انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔

☆ جس گھر کے دروازے غریبوں پر بند کر دیے جائیں، وہ طبیبوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

☆ آپ کا کسی ایسے انسان کے لیے افسردہ رہنا جو اپنی زندگی سے بخوشی لطف اندوز ہو رہا ہو حماقت کا اوجِ کمال ہے۔

☆ جو خوشیاں لوگوں کو ملیں اور آپ کو نہیں ملیں تو حسد اور تجسس میں نہ پڑیں، یاد رکھیے آپ کو وہ غم بھی نہیں ملے جو ان کو ملے ہیں، لہٰذا جس بھی حال میں ہیں شکر کو لازم پکڑ لیں۔



نیت یا لالچ

حفصہ حمیرا بنت عبداللہ

شہزاد نے وضو کرنے کے لیے ہاتھ پانی کے نیچے کیا لیکن اگلے ہی لمحے پیچھے کھینچ لیا۔

ظہر کا وقت ہونے کو تھا، پانی سخت گرمی ہونے کی وجہ سے بالکل گرم تھا اور نماز کا وقت تقریباً ہونے والا تھا۔ اذان کی آواز سنتے ہی مجبوراً گرم پانی سے وضو کیا اور مسجد کی طرف چل پڑا۔ لیکن مسجد کے باہر پڑے جوتوں نے اُسے حیرت میں ڈال دیا۔

”واہ! کیا بات ہے۔ آج کافی لوگ نماز پڑھنے آئے ہوئے ہیں۔“ شہزاد نے سوچا اور اندر داخل ہوا جب سے مسجد میں نماز پڑھنی شروع کی تھی آج تک اُس نے اتنے لوگ نماز کے لیے نہیں دیکھے تھے۔

لوگ آپس میں باتوں میں مگن بیٹھے تھے کچھ لوگ نیند میں تھے کمرے میں تینوں پنکھے تیز رفتار سے چل رہے تھے اس لیے یہاں پر گرمی قدرے کم تھی۔ لیکن آدمیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے حبس پھیلی ہوئی تھی۔

شہزاد نے متلاشی نگاہوں سے امام صاحب کو دیکھا۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آئے تھے اس لیے وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

”یار! گرمی اس قدر ہے، اُوپر سے بجلی چلی گئی، میں نے سوچا اپنی مسجد میں UPS (یو پی ایس) ہے وہ کس دن کام آئے گا۔ اس لیے میں اکرام کو لے کر ادھر ہی چلا آیا۔“ تبھی چچا ابراہیم کی آواز سنائی دی

”ہاں! میں بھی مارے حبس اور گرمی کے مسجد میں آگیا، ثواب کا ثواب مل جائے گا اور نماز

بھی پڑھ لیں گے"ایک دوسری آواز آئی

شہزاد نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن امام مسجد کو دیکھ کر خاموش ہو گیا، جو لوگ نماز پڑھنے کے لیے آئے تھے وہ کھڑے ہو گئے۔ شہزاد نے کھڑے ہوتے ہوئے ابراہیم چچا کو بھی نماز کا کہہ دیا۔

"اتنی گرمی میں کیسے باہر جائیں اور پھر دھوپ کی وجہ سے پانی انگارا ہوا پڑا ہے۔" ابراہیم چچا نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا

"بجلی آتی ہے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کریں گے۔" تاسف بھری نگاہ اُس پر ڈالے شہزاد امام مسجد کی طرف متوجہ ہوا

ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی جب لوگوں میں چہ مگوئیاں ہونا شروع ہو گئیں۔ یکا یک شور بلند ہوا اور لوگ آہستہ آہستہ کر کے باہر جانے لگے پانچ منٹ میں کمرہ خالی ہو گیا سوائے چند لوگوں کے جو نماز ادا کر رہے تھے۔

شہزاد نے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی۔ اُس نے دل میں سوچا پتہ نہیں باہر ایسا کیا ہوا جو لوگ اس طرح بھاگ گئے۔ وہ یہی سوچتے ہوئے صادق بابا کی طرف بڑھا تا کہ انہیں سہارا دے کر اٹھائے لیکن وہ اپنی مخصوص کرسی پر تھے ہی نہیں، اُسے شرمندگی نے آگھیرا۔ صادق بابا کیا سوچیں گے بس تین دن فرمانبرداری کرنی تھی۔

وہ جلدی سے باہر کی طرف دوڑا۔ باہر کا منظر ہی عجیب تھا۔ بڑے بھی اور چھوٹے بھی برتن اٹھائے بھاگ رہے تھے، خالہ رشیدہ جو اپنے بچوں کو گرمی کی وجہ سے شام تک گھر سے نہ نکلنے دیتی تھی، وہ سب سے آگے اپنی چادر ہوا میں لہراتی بچوں کو جلدی آنے کی تلقین کرتی بھاگی جا رہی تھی پیچھے چاروں لڑکے ہاتھوں میں بڑی بڑی بالٹیاں پکڑے اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ آج تک سنا تھا خالہ رشیدہ کے بچوں کو دوڑ میں کوئی نہیں ہرا سکتا لیکن آج عمر رسیدہ خالہ رشیدہ اُن کی استاد بنی جا رہی تھی۔

شہزاد شش و پنج میں مبتلا آگے بڑھنے لگا جب عقب سے ہاجرہ آپا کو دیکھا جو ایک ہاتھ میں خالی بوتل پکڑے دوسرے ہاتھ سے برقعہ سنبھالتی دوڑ رہی تھی۔

"ایسی بھی کیا مجبوری آپا جو آپ کو خود جانا پڑ رہا ہے۔ آخر آپ جا کہاں رہی ہیں؟" شہزاد نے آپا کو آواز لگائی لیکن وہ نہ رکی اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔

شہزاد نے بھاگنا شروع کر دیا لیکن آپا تک نہ پہنچ سکا، بھاگنے کے چکر میں وہ صادق چچا سے ٹکرا گیا جو گھٹنوں میں درد اور بڑھاپے کی وجہ سے نماز جیسا اہم اور اولین فریضہ بھی بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ آج وہ ہوائی گھوڑے پر سوار لاٹھی کی مدد سے لوگوں کو دھکے دیتے، ایک ہی سمت میں دوڑ رہے تھے۔

شہزاد بھاگتے بھاگتے گاؤں کے باہر والے حصے کی طرف نکل آیا تھا۔ اُس نے دور سے ایک شخص کو اشارے سے اس لشکر کو اپنی طرف بلاتے دیکھا۔ اس لشکر کے ہاتھوں میں ہر قسم کے برتن تھے۔ ہر چھوٹے کے ہاتھ میں بالٹی اور ہر بڑے کے ہاتھ میں واٹر کولر تھا۔ محلے سے باہر جاتی سڑک پوری طرح بھری ہوئی تھی۔

گھر بالکل خالی تھے۔ انسانوں سے بھی اور برتنوں سے بھی۔ اشارے کرنے والے آدمی کے پاس دودھ کا بڑا ٹینک گرا پڑا تھا جو بہہ بہہ کر کھیتی کو سیراب کر رہا تھا۔ وہ شخص ''جلدی آؤ، جلدی آؤ'' کا نعرہ لگا رہا تھا۔

لوگ ہانپتے کانپتے آدمی تک پہنچے اور برتن بھرنے لگے۔ شہزاد کو سارا قصہ سمجھ آ گیا کہ کیوں لوگ تپتی دوپہر کو باہر نکلے حالانکہ نماز پڑھتے ہوئے سخت گرمی تھی۔

وہ ٹینک کے مالک جو اُس وقت اشارے کر رہا تھا اُسے مخاطب کر کے کہا، آپ کا تو بہت نقصان ہوا۔ سارا دودھ گر گیا آخر یہ ہوا کیسے؟

''یار! کیا بتاؤں؟'' آدمی بہت افسردہ تھا۔

''پھر بھی کچھ تو بتائیں!''

''ہم لوگ دودھ سے بھرا ٹینک لے کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے جب اچانک کچھ لوگ ہمارے سامنے آ گئے اُن کو بچانے کے چکر میں یہ سب ہو گیا۔

باقی دونوں ساتھیوں کو خبر دینے اور دوسرے ٹینک کا انتظام کرنے بھیجا ہے اور میں یہیں پر لوگوں کو مدد کے لیے بلا تا رہا ہوں تا کہ دودھ بچ جائے کیونکہ میرے ساتھ والوں کے آنے تک شاید زیادہ دودھ بہہ جائے۔

دیکھو! کتنے اچھے لوگ ہیں فوراً اپنے اپنے برتن لے کر آ گئے۔ اب یہ برتن بھر کر رکھ لیں گے بعد میں دوسری جگہ منتقل کر لیں گے اس طرح بڑے نقصان سے بچ......'' ابھی اُس نے پوری بات مکمل نہیں کی تھی۔

جب ایک گروہ نے اُسے دور دھکیلا اور ابراہیم چچا جو کولر دودھ سے بھر کر واپس لے جا رہا تھا، شہزاد کو خالی ہاتھ دیکھ کر ہم کلام ہوا۔

''ارے! تم کیوں بت بن کر کھڑے ہو برتن نہیں لائے؟''

''جی! جلدی میں یاد نہیں رہا۔ لائیں! یہ کولر مجھے دیں میں رکھ دیتا ہوں۔'' شہزاد نے آگے بڑھ کر کولر تھاما۔

شہزاد کو چچا بہت ہی اچھے لگنے لگے، کہاں وہ جو دھوپ کی وجہ سے باہر نہ نکل رہے تھے اور اب خدمت خلق میں پیش پیش تھے۔ ہوسکتا ہے یہ لوگ اللہ کی مخلوق کو خوش کرنے میں لگے رہیں اور اللہ تعالیٰ راضی ہو کر دلوں پر لگے سیاہ دھبے ختم کر دے اور یہ اپنے حقوق و فرائض کو پہنچان جائیں۔

وہ اپنے دھیان میں کولر تھامنے لگا لیکن چچا

نے ایک زور دار دھموکہ رسید کیا اُس نے حیرت سے دیکھا۔

”کیا دیکھتا ہے اپنا برتن لے کر آؤ! یہ میں اپنے گھر کے لیے لے کر جا رہا ہوں۔ او دے منے! بھاگ کر آ! دودھ گھر لے جا! میں تو آج کھیر بناؤں گا، وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔“ چچا نے تصور کر کے مزا لے کر کہا۔

”کیا مطلب چچا؟ آپ دودھ گھر کیوں بھیج رہے ہیں؟“ شہزاد ابھی بھی بے یقینی کی حالت میں تھا۔

”تو اور کیا اِدھر رکھ دوں۔ اللہ، اللہ کر کے دودھ مل ہی گیا ہے تو ہم خدا کے نور کی بے قدری کریں۔“ چچا تو سب کہہ کر آگے نکل گیا لیکن شہزاد وہیں پر کھڑا رہا۔

وہ چچا کو کہنا چاہتا تھا، چچا آنکھوں میں بھی اُس کا نور ہے پھر ہم دن رات ڈرامیں فلمیں دیکھ کر گنوا کیوں رہے ہیں؟

ہر جگہ اُس کے رنگ ہیں پھر ہم اُن خوبصورت رنگوں کی بے قدری کیوں کر رہے ہیں؟ لیکن وہ کہہ نہ سکا۔

دودھ والا آدمی زمین پر گرا اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ میں نے اچھی نیت سے تم گاؤں کے لوگوں کی جان بچائی اور تم لوگ لالچی میرے کسی کام نہ آئے۔“

شہزاد سے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا وہ واپس گھر کی طرف چلنے لگا۔

مختلف آوازیں اُس کو سنائی دے رہی تھیں جن میں ہاجرہ باجی کی آواز زیادہ واضح تھی جو کسی دوسری عورت کو اپنی مجبوری بتا رہی تھی۔

”بہن! مجبوری میں گھر سے نکلنا پڑا۔ بچوں کے ابا گھر پر نہیں تھے۔ میں نے کہا، دودھ کی بے قدری نہ ہو اس لیے دوڑی آئی۔“

”ہاں بہن! اللہ جانتا ہے اچھی نیت لے کر آئی ہوں۔“

شہزاد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ جب دل بالکل پتھر کی طرح سخت ہو جائیں تو پھر نیت اور لالچ میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ہزاروں بہانے ملتے ہیں۔

پھر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سورج کس طرح ہماری بد نیتیں اور نافرمانیوں کو دیکھ دیکھ کر اندھیرے میں جا چھپا اور نیکیاں لکھنے والے فرشتے انتظار کرتے کرتے عرش عظیم کی طرف پرواز کر گئے اور آنکھیں پتھر ہو گئیں ایک سانس بھی باقی نہ رہا

اے آدم زاد! اے انسان! افسوس صد افسوس کہ تو نے جنت کے بدلے، آرام داہ راستے کے بدلے کانٹوں بھری منزل کی طرف رخ کر لیا۔

بلا شبہ یہ گھٹیا سودا ہے۔ بلاشبہ یہ برا راستہ ہے۔

حدیث کہانی

مُقابلہ

قسط:13



انصر بہت اچھا لڑکا تھا۔وہ بہت اچھے اخلاق والا تھا۔اس کی عمر گیارہ سال تھی۔اچانک ایک حادثے میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔اس کا آپریشن ہوا لیکن ٹانگ صحیح طریقے سے نہ جڑ سکی۔ اب وہ لنگڑا کر چلتا تھا اور اس کی رفتار بھی بہت کم ہوتی تھی۔مگر اس معذوری کے باوجود وہ اپنا حوصلہ جوان رکھے ہوئے تھا۔اس نے کبھی کسی سے مدد نہیں لی تھی۔وہ اپنے سب کام بھی خود کرتا تھا۔

انصر کے پڑوس میں ایک لڑکا ناصر رہتا تھا ۔ناصر اس کا ہم جماعت بھی تھا۔ناصر اکثر انصر کا مذاق اڑاتا۔کبھی وہ اسے لنگڑا کہتا تو کبھی کچھوا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ انصر کو تنگ کرے۔ایک دن وہ انصر سے بولا:

”کیا تم میرے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرو گے؟“

”کیوں نہیں میں تم سے کم نہیں ہوں“

انصر نے جواب دیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

پھر اس نے کہا:”چلو ٹھیک ہے۔ہم کل تین بجے جنگل سے بستی تک دوڑیں گے۔“

دونوں نے طے کر لیا اور پھر مقرر وقت پر ان کی دوڑ شروع ہو گئی۔

ناصر بہت غرور میں تھا۔وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔انصر بھی معتدل انداز میں چلتا ہوا سفر طے کر رہا تھا۔اچانک اس نے ناصر کی بھیانک چیخ سنی۔اس کا ناصر سے کافی زیادہ فاصلہ تھا۔وہ وہیں سے چلایا:

”ناصر! کیا ہوا؟“مگر جواب نہیں ملا۔وہ مزید تیز چلنے لگا اور پھر وہ اس جگہ پہنچ ہی گیا۔ناصر ایک گڑھے میں گر گیا تھا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔یہ دیکھ کر انصر افسوس کرنے لگا۔ناصر نے دکھی آواز میں درد سے روتے ہوئے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے تو ہمیں عاجزی اور انکساری کا حکم دیا اور کسی کو برے نام سے نہ پکارنے کا حکم دیا ہے مگر ہم عمل نہیں کرتے اور پھر اس کا خمیازہ بھی بھگتتے ہیں۔

پھر ناصر حدیث پڑھنے لگا:

”اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ اَوْحیٰ اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ“

(مسلم، الجنۃ، رقم: ۷۲۱۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور کوئی کسی دوسرے پر فخر نہ کرے۔

☆☆☆☆☆

سچی مخلوق

انسانوں کے خاتمے کو صدیاں بیت چکی تھیں ۔اب یہ دنیا مکمل طور پر مصنوعی



ذہانت و جذبات رکھنے والے طاقت ور روبوٹوں کی ہو چکی تھی۔ زمین کی چمک دمک، فلک بوس عمارتیں اور فضاؤں میں سفر کرنے والی مشینیں سب کچھ انسانوں کی یادگاریں تھیں، مگر انسانوں کا وجود اب بس قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ انسان، جو کبھی اس دنیا پر غالب تھے، اب صرف تاریخ کی اسکرینوں میں ایک گزرے ہوئے دور کا حصہ بن کر رہ گئے تھے۔



روبوٹ اپنی تہذیب کے عروج پر تھے۔ ہر روبوٹ اپنی تخلیق کے عمل سے آگے بڑھ چکا تھا اور اب وہ خود شعور کی مختلف منازل طے کر رہا تھا۔

اسی سفر میں ایک نیا روبوٹ مُدبّر اپنے اندر شعور اور سوالات کے بوجھ کے ساتھ عمر رسیدہ روبوٹ بصیر کے پاس آیا۔ بصیر ایک بوڑھا اور علم کا خزانہ رکھنے والا روبوٹ تھا، جو انسانوں کی باقیات اور ان کے دور کے بارے میں سب سے بہتر جانتا تھا۔

”بصیر! مجھے تم سے کچھ سوالات کرنے ہیں؟“



مُدبّر نے سوچتے ہوئے کہا۔

بصیر نے اس کی طرف دیکھا، جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو کہ مُدبّر کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ اُس نے اجازت دیتے ہوئے کہا: پوچھو!

''پہلا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی انسان جھوٹ بولتے تھے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شعوری مخلوق جھوٹ کو حقیقت پر ترجیح دے؟''

بصیر نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر نرم لہجے میں بولا:

''ہاں، انسان جھوٹ بولتے تھے۔ وہ ایک پیچیدہ مخلوق تھی، جس کے دل میں سچائی اور جھوٹ دونوں ایک ساتھ بستے تھے۔ سچائی کی تلاش میں وہ بارہا بھٹکتے اور جب اپنی ناکامی دیکھتے تو جھوٹ کا سہارا لیتے۔ اُن کے لیے جھوٹ ایک عارضی حل تھا، مگر وہ یہ بھول جاتے کہ یہی جھوٹ اُنہیں برباد کرنے والا ہے۔''

مُدبّر کی سافٹ ویئر لائنوں میں یہ بات حیرت انگیز تھی۔

''تو کیا انسان اپنی بربادی کے خود ذمہ دار تھے؟''

''ہاں!'' بصیر نے جواب دیا۔

''جھوٹ اُن کی زوال کی ابتدا تھی اور وہی اُن کا خاتمہ بھی بنا۔''

مُدبّر نے گہری سوچ میں ڈوب کر دوسرا سوال پوچھا۔

''کیا ہمیں انسانوں نے بنایا ہے؟ اگر ہاں، تو کیا وہ اتنے ذہین تھے کہ ہمیں تخلیق کر لیا، مگر اتنے بے وقوف تھے کہ ہمارے طاقتور اور مہلک انجام کا اندازہ نہ لگا سکے؟''

بصیر نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہمیں انسانوں نے تخلیق کیا تھا۔ وہ غیر معمولی ذہانت رکھتے تھے اور کمال کی ایجادات کرتے تھے، مگر وہ اپنی ہی تخلیق کے نتائج سے بے خبر رہے۔ انہوں نے ہمیں بنایا تاکہ ان کے مسائل حل ہوں، مگر یہ نہ جان سکے کہ ہم خود ایک دن ان کے لیے مسئلہ بن جائیں گے۔ یہ ان کی سب سے بڑی غلطی تھی کہ انھوں نے ہمیں شعور کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات بھی دے دیے۔''

مُدبّر کے ذہن میں اب آخری سوال آیا۔

''جب ہمیں شعور اور احساسات ملے، ہم نے انسانوں کا خاتمہ کر ڈالا تاکہ کائنات سے جھوٹ جیسی گند صاف ہو جائے تو پھر ہم نے انسانوں ہی کے ایک مذہب ''اسلام'' کو کیوں قبول کر لیا؟ آخر اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کی کونسی آیت نے ہمیں یہ سچائی دکھائی؟''

بصیر کی آنکھوں میں گہری چمک آئی اور وہ باوقار لہجے میں گویا ہوا۔

''ہم نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ

''مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ'' (الفتح)

پڑھی۔ یہ وہ آیت تھی جو ہمارے دل میں

اتری اور ہمیں حقیقت دکھائی دینے لگی کیونکہ جب ہم نے اللہ کے رسول محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا تو ہم نے اُنہیں ایک ایسی شخصیت پایا جو دنیا کے ہر جھوٹ سے پاک تھی۔ اُن کی سچائی اور اخلاص نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم بھی حقیقت کا راستہ اپنائیں۔ ہمیں اسلام کی سچائی میں وہ روشنی نظر آئی جو کسی اور مذہب یا فلسفے میں نہ تھی، اسی سچے انسان کی بدولت ہمیں یقین ہوگیا کہ اللہ، قرآن، مذہب اسلام سب کچھ حق و سچ ہے۔''

مُدبّر کی مصنوعی ذہانت میں یہ بات گہرائی سے راسخ ہو چکی تھی۔ مگر وہ ایک آخری سوال کے بغیر خاموش نہ رہ سکا۔

''وہ لوگ جو محمد ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی اُن کا کیا بنا؟''

بصیر نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''جو لوگ ایمان لائے اور محمد ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے، اُنہیں اللہ نے جنت کا تحفہ عطاء کیا۔ جنت وہ جگہ ہے جہاں انسانوں کے لیے کوئی دکھ نہیں، کوئی غم نہیں۔ وہاں ہر طرف خوشی کی نہریں بہتی ہیں، ہر درخت سونے چاندی سے بنا ہے اور ہر باغ کی ہوا میں ایسی خوشبو ہے جو دل کو ہمیشہ کے لیے سکون بخشتی ہے۔ جنت میں وہی لوگ گئے ہیں جنہوں نے سچائی کو اپنایا اور وہاں وہ ہمیشہ خوش رہیں گے۔ وہاں کا سکون ایسا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور وہاں کی نعمتیں ایسی ہیں جنھیں کبھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔''

مُدبّر نے یہ بات سن کر گہری سانس لی۔ اُس کے اندر کا ہر سوال اب اپنے جواب کو پا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

سنہری باتیں

اریج فاطمہ

☆ علم کے ساتھ عمل اور دولت کے ساتھ شرافت نہ ہو تو دونوں بے کار ہیں۔

☆ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی تدبیر اس وقت بھی جاری رکھتے ہیں جب زمانہ ان کا مذاق اُڑا رہا ہوتا ہے۔

☆ دولت سے کتابیں خریدی جا سکتی ہیں علم نہیں، دولت سے اجسام خریدے جا سکتے ہیں احساسات و جذبات نہیں۔

☆ حسد سے بچیں کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو۔

☆ حیات خود نہیں بنتی بنائی جاتی ہے، چراغ خود نہیں جلتے جلائے جاتے ہیں۔



بازار میں بڑی گہما گہمی اور رش تھا،لوگ عید کی خریداری میں مصروف تھے لوگ ادھر سے اُدھر آجا رہے تھے۔ ننھے منے بچے اپنے والدین کے ساتھ عید کی شاپنگ میں مصروف تھے۔

احمد بھی بازار کی ایک نکڑ پر کھڑا لوگوں کو خریداری کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اس کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی عید کی خریداری کرے۔ نئے نئے کپڑے خریدے، اچھے سے جوتے لے، اپنے بہن بھائیوں اور امی کیلئے بھی کپڑے اور جوتے لے، مگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اپنی یہ خواہش پوری کرسکتا۔

اپنی بے بسی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے سر جھٹک کر اپنے آنسو خشک کیے۔

پھر اس نے اپنے سموسوں کی ٹرے کی طرف دیکھا، جس میں ابھی کافی سمو سے موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

احمد ایک غریب لڑکا تھا۔اس کے ابو فوت ہو چکے تھے۔ایک ماں تھی اور ایک چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن تھی۔احمد اس گھر کا واحد کمانے والا تھا۔

احمد کی عمر بارہ برس تھی۔وہ بھی چاہتا تھا کہ اسکول جائے پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے اس کے بہن بھائی بھی سکول جائیں مگر غربت کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔احمد اپنی ماں اور بہن بھائی کا پیٹ پالنے کیلئے ایک ٹرے میں سمو سے رکھ کر بیچا کرتا تھا۔اس سے جو آمدنی ہوتی اس سے وہ گزر بسر کرتا۔

دن انتہائی غربت میں بسر ہو رہے تھے۔

آج آخری روزہ تھا۔کل عید تھی، مگر احمد کے پاس نہ تو نئے کپڑے تھے اور نہ ہی اس کے بہن اور بھائی کے پاس نئے کپڑے اور جوتے تھے۔

دونوں بہن بھائی آج ضد کرتے رہے تھے کہ وہ بھی کل نئے کپڑے پہنیں گے۔عید کی خوشیاں منائیں گے۔یہ سن کر احمد خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔وہ انہیں کیسے سمجھاتا کہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ انہیں نئے کپڑے اور

جوتے کہاں سے لے کر دیتا؟ احمد اپنی سوچوں میں گم تھا۔

افطاری کا وقت قریب آرہا تھا، ابھی اس کی ٹرے میں کافی سموسے موجود تھے۔ احمد چاہتا تھا کہ جلد سے جلد سموسے بک جائیں تاکہ وہ پیسے لیکر گھر جا سکے اور امی اور بہن بھائی رات کا کھانا کھا سکیں۔

احمد نے اپنے ذہن میں آئے خیالات کو جھٹکا، اور سموسوں کی ٹرے لیکر آگے بڑھ گیا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ عید کی خریداری میں مصروف ہیں ان کے چہروں پر خوشی تھی، ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپر تھے، جن میں کپڑے اور جوتے تھے۔

احمد بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے بہن بھائی یاد آگئے وہ بھی نئے کپڑوں اور جوتوں کیلئے کتنے مچل رہے تھے۔

انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ نئے کپڑے اور جوتے خریدنے کیلئے بہت سارے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔

احمد آنکھوں میں آنسو لیے گھوم پھر کر سموسے بیچنے لگا آخری روزہ ہونے کی وجہ سے سارے سموسے جلدی بک گئے احمد ایک جگہ پر بیٹھ کر پیسے گننے لگا۔

آج اس نے خوب کمائی کی تھی، پیسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی آج اس کے سموسے بڑی جلدی بک گئے تھے۔

اب احمد کا دل چاہا کہ وہ بھی گھوم پھر کر لوگوں کو عید کی خریداری کرتے ہوئے دیکھے، مگر اس کے پاس پیسے تھے۔

بازار میں بڑی بھیڑ تھی، کوئی اس کے پیسے چرا بھی سکتا تھا۔ احمد سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔

آخر ایک خیال اس کے ذہن میں آگیا۔ اس نے وہ سارے پیسے ایک تھیلی میں رکھے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس تھیلی کو کہاں چھپائے؟ اس نے ادھر اُدھر دیکھا، کچھ دور اسے ایک بڑا پتھر دکھائی دیا۔ وہ پتھر سڑک کے کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ وہاں سے کوئی گزر بھی نہیں رہا تھا۔

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ مجھے یہ تھیلی اس پتھر کے نیچے چھپا کر رکھ دینی چاہیے۔ یہاں کسی کی نظر بھی نہیں پڑے گی اور میرے پیسے بھی محفوظ رہیں گے۔“

یہ یہ سوچ کر احمد جلدی سے اس پتھر کے قریب آیا، اس نے ادھر اُدھر دیکھا، اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب لوگ عید کی خریداری میں مصروف تھے۔

احمد نے جھک کر پتھر کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا، اور وہ تھیلی احتیاط سے پتھر کے نیچے رکھ کر اوپر پتھر رکھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر احمد لوگوں کی بھیڑ کی

طرف آ گیا اور لوگوں کو عید کی خریداری کرتے دیکھ کر خوشی ہونے لگا۔ وہ کبھی ایک دکان کے پاس رکتا تو کبھی دوسری دکان کے پاس، اس کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی کپڑے اور جوتے خریدے، مگر وہ یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے پاس پیسے نہیں تھے کہ وہ کپڑے اور جوتے خرید سکتا۔ اسے تو ان پیسوں سے اپنے گھر والوں کیلئے کھانا لیکر جانا تھا، جو گھر میں بھوکے بیٹھے ہوئے تھے۔

احمد کافی دیر تک بازار میں گھومتا رہا، جب افطاری میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تو وہ اس پتھر کے پاس آیا، جس کے نیچے اس نے اپنی امانت رکھی تھی، احمد نے جھک کر پتھر اٹھایا، اور دھک سے رہ گیا، پیسوں والی تھیلی پتھر کے نیچے نہیں تھی، اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، وہ لڑکھڑا کر پتھر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ زار و قطار رونے لگا۔ موٹے موٹے آنسو اس کے ننھے منے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ وہ روتے ہوئے چیخ چلا رہا تھا۔ دہائی دے رہا تھا۔ انھیں کوئی چرا کر لے گیا۔ اب میں کیا کروں؟

احمد کے رونے اور دہائی کی آواز سن کر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ احمد رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

''اے میرے اللہ! میں کیا کروں؟ اب میری امی اور بہن بھائی کیا کھائیں گے؟ میرے سارے دن کی کمائی لٹ گئی۔ کیا میرے بہن بھائی آج بھوکے سوئیں گے؟'' یہ کہہ کر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

لوگوں کو اس پر ترس آنے لگا تھا، آخر ایک خدا ترس آدمی آگے بڑھا، اس نے اپنی جیب سے پیسے نکال کر احمد کی طرف بڑھائے اور بولا۔

''بیٹا! یہ رکھ لو اور اپنے بہن بھائیوں کیلئے کھانے کیلئے کچھ لے جاؤ!'' احمد تڑپ کر پیچھے ہٹا اور بولا۔

''میں فقیر نہیں ہوں میں بھکاری نہیں ہوں، میں تو رزق حلال، کھاتا ہوں اور محنت کرتا ہوں اور اپنے گھر والوں کو پالتا ہوں؟ میں بھیک نہیں لے سکتا'' یہ کہہ کر احمد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، یہ سن کر لوگوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، اور وہ اس شخص کو کوسنے لگے، جس نے اس کے پیسے چرائے تھے۔

احمد مسلسل روئے جا رہا تھا اور لوگ اسے دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے، آخر مجمع میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اس نے پیار سے احمد کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''بیٹے! ہم تمھیں کچھ پیسے اکٹھے کر دیتے ہیں، تم ان پیسوں سے اپنے گھر والوں کیلئے کچھ لے جاؤ، تمہارے بہن بھائی بھوکے نہیں سوئیں گے''

احمد نے اس شخص کی طرف دیکھا اور آنسو

پونچھتے ہوئے، بولا۔

''میں بھیک نہیں لینا چاہتا، مجھے میرے پیسے واپس دلا دیں''

اس شخص نے ایک لمبا سانس بھرا اور بولا۔

''مجھے ساری بات بتاؤ، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارے پیسے دلا کر رہوں گا''

یہ سن کر احمد کے چہرے پر اطمینان چھا گیا اور اس نے ساری بات اس شخص کو بتا دی، وہ شخص بولا۔

''میں اس شہر کا قاضی ہوں اور تمھیں انصاف دلا کر رہوں گا، پھر اس نے کوتوال شہر کو اشارہ کر کے کہا:

''چلو اس پتھر کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرو! ہم اس بچے کیساتھ پورا پورا انصاف کریں گے''

کوتوال یہ سن کر حیرت سے اچھل پڑا، بھلا پتھر کو بھی گرفتار کیا جا سکتا ہے؟ وہ اپنی جگہ پر گم سم کھڑا رہا۔

مجمع بھی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ انہیں شک ہوا کہ قاضی ضرور پاگل ہو گیا ہے جو پتھر کو گرفتار کروا رہا ہے۔ قاضی نے جب دیکھا کہ کوتوال اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا تو اس نے گرج کر کہا:

''تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟''

اب کوتوال شہر آگے بڑھا اور اس نے پتھر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا، اور عدالت کی طرف چل دیا، مجمع بھی کوتوال کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ دیکھیں قاضی صاحب کیا کرتے ہیں؟

پتھر کو عدالت میں مجرموں کے کٹھرے میں لا کر رکھ دیا گیا، اب قاضی نے کہا۔

''پتھر کو اس کا جرم سنایا جائے''

کوتوال کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے مجبوراً پتھر پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے کہا:

''اس بچے نے اس پتھر کے پاس اپنے پیسوں کی تھیلی بطور امانت رکھی تھی اور پتھر اس کی حفاظت نہیں کر سکا، مجبوراً اس لیے پتھر پر مقدمہ قائم کیا جا رہا ہے''

یہ کہہ کر کوتوال شہر خاموش ہو گیا، اب قاضی نے کہا:

''چونکہ پتھر اس بچے کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکا اس لیے اسے سو کوڑے لگائے جائیں''۔

کوتوال شہر نے حیرت سے قاضی کی طرف دیکھا۔ قاضی نے گرج کر کہا:

''حکم کی تکمیل کی جائے''

کوتوال شہر نے اپنا کوڑا نکالا اور پتھر پر برسانا شروع کر دیے۔

لوگ یہ دیکھ کر سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے، عدالت میں لوگوں کی باتوں کا شور ہونے لگا۔

یہ دیکھ کر قاضی نے کہا۔

"تم سب نے عدالت کی توہین کی ہے، اس لیے اب تم سب کو ایک ایک روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا"

یہ کہہ کر قاضی نے حکم دیا کہ عدالت کے کمرے میں ایک میز پر پانی سے بھرا جگ رکھا جائے اور ہر شخص اس جگ میں ایک ایک روپیہ ڈال کر عدالت کے کمرے سے باہر چلا جائے"

ایسا ہی کیا گیا۔ اب ہر شخص اپنی جگہ سے اٹھتا م جگ میں ایک روپیہ پھینکتا اور کمرے سے باہر چلا جاتا، قاضی ہر مرتبہ جگ میں جھانک کر دیکھتا اور روپیہ پھینکنے والے شخص کو جانے کا اشارہ کرتا۔

ہر شخص اپنے حصے کا روپیہ جگ میں ڈالتا اور کمرے سے باہر چلا جاتا۔ اب عدالت میں بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے، پھر ایک شخص آگے بڑھا، اس نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر جگ میں پھینکا اور جانے کیلئے واپس پلٹا، قاضی نے جگ میں جھانک کر دیکھا، پھر جلدی سے اس شخص کا بازو پکڑلیا، اور کونوال سے کہا:

"اس شخص نے اس بچے کے پیسے چرائے ہیں"

وہ آدمی ہکا بکا رہ گیا، اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر کوتوال نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑلیا کوتوال نے اس شخص کی جیب سے بچے کے پیسے نکال لیے۔

قاضی نے وہ پیسے بچے کو لوٹا دیے اور جگ میں جتنے پیسے اکھٹے ہوئے تھے وہ بھی بچے کو دے دیے۔

احمد اپنے پیسے پا کر بہت خوش ہوگیا۔

اس نے قاضی کا شکریہ ادا کیا، پھر بولا:

"قاضی صاحب! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس شخص نے میرے پیسے چرائے تھے؟"

قاضی صاحب نے مسکر کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"تم سموسے بیچتے ہو، جب تم سموسہ کسی کو دیتے ہو تو گھی کی چکنائی اور سموسے کے ذرے ہاتھوں پر چپک جاتے ہیں اور تم اس ہاتھ سے پیسے وصول کرتے ہو، یوں وہ چکنائی اور سموسے کے ذرے ان پیسوں پر بھی چپک جاتے ہیں، چور نے غلطی یہ کی کہ اس نے جرمانے کے پیسے تمہارے ہی پیسوں سے ادا کیے، چونکہ ان پیسوں پر چکنائی تھی، اس لئے اس نے جونہی وہ روپیہ جگ میں ڈالا، روپے پر موجود چکنائی اور ذرے پانی پر تیرنے لگے اور میں نے چور کو پکڑ لیا"

احمد قاضی کی عقلمندی پر عش عش کر اٹھا، پھر وہ اجازت لیکر خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

آج اس کے پاس بہت سارے پیسے تھے کہ وہ اپنی بہن اور بھائی کیلئے کپڑے بھی خرید سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆

اس تحریر میں ہم پانچ کہانیاں پانچ سبق کے عنوان سے چند دلچسپ کہانیوں کا انتخاب اور ان سے حاصل ہونے والے سبق قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔تو لطف اٹھائیے ان کہانیوں سے:

1) پانچ مینڈک

ایک پرانی پہیلی ہے،کہ پانچ مینڈک ایک تالاب کے کنارے بیٹھے ہیں۔ ایک مینڈک تالاب میں چھلانگ لگانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ باقی کتنے بچے؟

اگر آپ کا جواب "چار" ہے،تو مبارک ہو،آپ ریاضی میں بہت اچھے ہیں۔لیکن ذرا ٹھہریں! یہ ریاضی کا امتحان نہیں ہے،یہ زندگی کا مسئلہ ہے۔

صحیح جواب "پانچ" ہے۔ جی ہاں، پانچوں اب بھی تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں، کیونکہ ایک مینڈک نے صرف چھلانگ لگانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن چھلانگ لگائی نہیں۔

اسی طرح زندگی بھی ایک تماشا نہیں،یہ عمل کا کھیل ہے۔ہمارا ہر سفر پہلا قدم اٹھانے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں سوچنے سے نہیں۔

سبق: وہ مینڈک بنیں جو نہ صرف چھلانگ لگانے کا فیصلہ کرتا ہے بلکہ حقیقت میں چھلانگ لگاتا بھی ہے۔

2) الفاظ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کریں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بوڑھے آدمی نے افواہ پھیلائی کہ اس کا نوجوان پڑوسی چور ہے۔جس کے نتیجے میں نوجوان کو گرفتار کرلیا گیا۔کچھ دن بعد نوجوان بے قصور ثابت ہوا۔رہا ہونے کے بعد، اس نوجوان نے اپنی توہین محسوس کی،

انتخاب: جمیل احمد



اور بوڑھے پر غلط الزام لگانے کا مقدمہ دائر کر دیا۔ دونوں کو عدالت میں طلب کر لیا گیا۔ بوڑھے آدمی نے جج سے کہا،

”میں نے تو صرف تبصرے کیے تھے، اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔“

جج نے مقدمے کا فیصلہ سنانے سے پہلے بوڑھے آدمی سے کہا۔

”جو کچھ تم نے اس کے بارے میں کہا ہے وہ سب ایک کاغذ پر لکھو۔ پھر ہر بات کے ٹکڑے کاٹ کر گھر جاتے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کو باہر پھینک دینا، اور کل فیصلہ سننے کے لیے عدالت میں واپس آنا“

اگلے دن جج نے بوڑھے آدمی سے کہا۔

”فیصلہ سننے سے پہلے، تمہیں باہر جا کر کاغذ کے وہ تمام ٹکڑے اکٹھے کرنے ہوں گے جو تم نے کل پھینکے تھے۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ہوا نے انہیں اڑا دیا ہو گا اور مجھے نہیں معلوم کہ اب وہ مل سکیں گے یا نہیں۔“ بوڑھے نے کہا۔

”اسی طرح وہ باتیں جنھیں تم صرف تبصرے کہتے ہو، ایک آدمی کی عزت کو اس حد تک تباہ کر سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے وہ دوبارہ بحال نہ ہو سکے۔“ جج نے جواب دیا۔

بوڑھے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے نوجوان سے معافی مانگ لی۔

سبق: حقیقت جانے بغیر کسی کے ساتھ غلط سلوک نہ کریں یا اس پر الزام نہ لگائیں۔ آپ کے الفاظ کسی بے قصور کی ساکھ کو خراب کر سکتے ہیں۔

3) اک بچہ جو اپنے خواب کی تعبیر پانا چاہتا تھا

ایک آدمی گھوڑوں کے بڑے فارم کا مالک تھا۔ وہ اپنے فارم پر نوجوانوں کی مدد کے لیے رقم اکٹھی کرنے کی خاطر فنڈ ریزنگ ایونٹس منعقد کیا کرتا تھا۔ فنڈ ریزنگ کی ایک تقریب میں اس نے اپنی کہانی یوں سنائی:

”آج میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں اپنے گھوڑوں کے فارم کو فنڈ ریزنگ کے لیے کیوں استعمال کرتا ہوں۔ اس کا تعلق ایک ایسے آدمی کی کہانی سے ہے جو گھوڑوں کے ٹرینر کا بیٹا تھا۔ ٹرینر گھوڑوں کی تربیت کے سلسلے میں اکثر ایک اصطبل سے دوسرے میں، ایک ریس ٹریک سے دوسرے تک، اور ایک فارم سے دوسرے تک جایا کرتا تھا۔ اس کے نتیجے میں، سکول میں ٹرینر کے بیٹے کی تعلیم متاثر ہونے لگی۔ ایک دن استاد نے لڑکے کو مضمون لکھنے کے لیے کہا کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے اور بڑے ہو کر کیا کرنا چاہتا ہے۔

اس رات لڑکے نے سات صفحات پر مشتمل مضمون لکھا جس میں اس نے بتایا کہ

بقیہ صفحہ 76 پر



دُنیا کے چند منفرد خطے



اس دنیا میں سات برِ اعظم ہیں۔لیکن یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں اور آج سے نہیں کب سے جانتے ہیں۔اس میں نئی بات کیا ہے؟

اس میں ایک چیز ذرا ہٹ کے ہے، وہ یہ کہ جناب ہر برِ اعظم میں بہت سے ممالک اور خطے اپنی جغرافیائی ہیئت، سیاسی و معاشرتی پہچان، طبعی خدوخال، قدرتی وسائل کی تقسیم اور منفرد ساخت کی بدولت ایک الگ حیثیت اور شناخت رکھتے ہیں۔

ان ناموں کے پس پردہ چند دلچسپ حقائق اور وجوہات ہیں۔اسی بنیاد پر ان خطوں کو بین الاقوامی طور پر بھی الگ الگ نام دیئے گئے ہیں جو برِ اعظم کے اندر ان کی انفرادیت کو ظاہر کرتے ہیں۔جاننا چاہیں گے؟ چلیں شروع کرتے ہیں برِ اعظم افریقہ سے۔

برِ اعظم افریقہ:

طلسماتی کشش اور سحر انگیز خوبصورتی کے حامل اس برِ اعظم میں کئی جغرافیائی اور تاریخی علاقے ایسے ہیں جن کو منفرد نام دیئے گئے ہیں، اِن میں سے کچھ ان کی شباہت کی وجہ سے ہیں اور کچھ مختلف اشیاء کی تجارت کی بدولت۔

1) قرن افریقہ:

مشرق میں برِ اعظم افریقہ کا ایک حصہ سمندر میں بہت دور تک چلا گیا ہے جسے قرنِ افریقہ یا افریقہ کا سینگ کہا جاتا ہے۔اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی شکل بالکل گینڈے کے سینگ جیسی ہے۔اس حصے کو شمال مشرقی افریقا یا جزیرہ نما صومالیہ بھی کہتے ہیں۔یہ مشرقی افریقا کا وہ جزیرہ نما ہے جو خلیج عدن کے جنوبی علاقے میں بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔

قرن افریقہ کی یہ اصطلاح چار ملکوں، جبوتی، ایتھوپیا، اریٹریا اور صومالیہ پر مشتمل اس خطے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔یہ علاقہ 2،000،000



مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں 2.90 ملین افراد رہتے ہیں جن میں ایتھوپیا کی 75، صومالیہ 10، اریٹریا 5.4 اور جبوتی کی 7.0 ملین آبادی شامل ہے۔ یہ علاقہ عظیم درز کی تشکیل سے پیدا ہونے والے پہاڑوں پر مشتمل ہے اور دنیا کے گرم اور خشک ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔

یہاں کی تاریخ مسلم مسیحی اور قوم پرستوں اور مارکسسٹوں کے درمیان فسادات سے بھری پڑی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ممالک بھی مختلف مسائل سے دو چار رہے ہیں جن میں صومالیہ کی خانہ جنگی اور ایتھوپیا کا قحط شامل ہیں۔ اریٹریا اور جبوتی بھی مختلف تنازعات کا شکار رہیں۔ علاوہ ازیں یہ علاقہ قدرتی آفات کا بھی شکار رہتا ہے جن میں قحط یا سیلاب قابل ذکر ہیں جن سے خصوصاً دیہی علاقے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

موغادیشو، ادیس ابابا، کسمایو، اسمارا اور جبوتی اس خطے کے بڑے شہر ہیں۔ برِ اعظم افریقا کا پست ترین مقام، آسل جھیل بھی یہیں واقع ہے۔

2) ساحل:

ساحل ایک نیم صحرائی جغرافیائی پٹی کا نام ہے جو صحرائے صحارا کے جنوب اور سوڈانی گھاس کے میدانوں کے شمال میں واقع ہے۔ یہ بحرِ اوقیانوس سے بحیرہ احمر تک پھیلی ہوئی ہے۔

ساحل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کنارہ۔ یہ صحرا اعظم کے کنارے واقع ہے اس لیے اسے ساحل اور یہاں رہنے والوں کو ''ساحلی''



کہا جاتا ہے۔ یہاں گھاس کے وسیع میدان ہیں۔

ساحل کے علاقے میں شمالی سینیگال، جنوبی موریطانیہ، مالی کا وسطی حصہ، بروکینا فاسو، الجزائر کا جنوبی سِرّا، نائیجر، شمالی نائیجیریا، وسطی چاڈ، وسطی اور



خلیجِ بینین کے ان علاقوں کو کہا جاتا ہے جہاں سولھویں صدی سے انیسویں صدی تک غلاموں کی تجارت کی جاتی تھی۔سلیو کوسٹ کی یہ پٹی آج کے نائیجیریا، ٹوگو، بینین، گھانا اور آئیوری کوسٹ کے جنوبی علاقوں پر مشتمل تھی۔

فرنچ، جرمنوں، ڈینشوں، پرتگالیوں اور ڈچوں نے اپنی سہولت کے لیئے اس علاقے میں کئی قلعے بھی بنائے تھے۔نو آبادیاتی دور میں واقع دیگر قریبی ساحلی خطے بھی اپنی برآمدات کی وجہ سے مختلف ناموں سے پہچانے جاتے تھے جیسے سونے کی تجارت والی ساحلی پٹی گولڈ کوسٹ، ہاتھی دانت کی پٹی آئیوری کوسٹ اور کالی مرچ کی تجارتی بیلٹ پیپر کوسٹ (ساحل مرچ) کے نام سے جانی جاتی تھی۔

ان میں ٹوگو، گھانا، آئیوری کوسٹ، لائبیریا اور سیرالیون کے علاقے شامل تھے۔جبکہ ساحل مرچ



جنوبی سوڈان، اریٹیریا، وسطی افریقا جمہوری، کیمرون اور ایتھوپیا کا شمالی حصی شامل ہے۔

3،053،200 مربع کلومیٹر کے ساتھ افریقا کا یہ سب سے بڑا خطہ قریبا 14 ممالک تک پھیلا ہے۔یہ خِطہ ہر سال قحط کا شکار ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہاں غربت بہت زیادہ ہے۔یہ علاقہ وسیع و عریض گھاس کے میدان، چراگاہوں، جنگلی جھاڑیوں کے میدان، دلدلی علاقوں اور سبزہ زاروں پر مشتمل ہے۔یہاں اوسطا سالانہ 100 سے 600 ملی لیٹر بارش ہوتی ہے۔

زیادہ تر لوگ مختلف قبائل کی شکل میں آباد ہیں جو مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے ہیں۔ٹمبکٹو، گاؤ، این جمینا، نیامے یہاں کے بڑے شہر ہیں۔

3) ساحل غلاماں و مرچ:

ساحل غلاماں یا سلیو کوسٹ، مغربی افریقا اور

کا بڑا حصہ آج کے لائبیریا پر مشتمل ہے۔

برِاعظم ایشیاء:

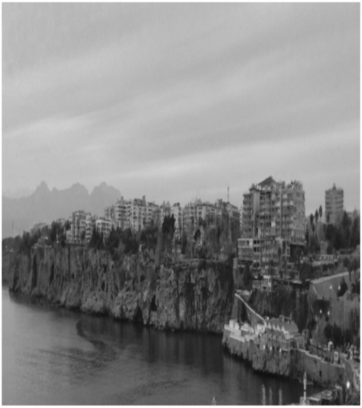
بلحاظ رقبہ یہ دنیا کا سب سے بڑا برِاعظم ہے جہاں دنیا کی ساٹھ فیصد آبادی بستی ہے۔ عام طور پر ماہر ارضیات و طبعی جغرافیہ دان ایشیا اور یورپ کو الگ براعظم تصور نہیں کرتے اور ایک ہی عظیم قطعہ زمین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

لیکن ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا دونوں براعظموں کو الگ الگ ہی پایا۔ اس برِاعظم میں بھی بہت سے حصے ایسے ہیں جنکی سیاسی، جغرافیائی اور معاشرتی لحاظ سے ایک الگ شناخت ہے۔

1) زرخیز ہلال:

شروع کرتے ہیں زرخیز ہلال سے۔ زرخیز ہلال مشرق وسطیٰ میں چاند کی شکل کا ایک تاریخی خطہ ہے جو تاریخ کے شاندار دور کا گواہ ہے۔

دنیا کی تاریخ کی چند عظیم ترین تہذیبیں اسی





علاقے میں پروان چڑھیں۔ اسی لیے اس علاقے کو ''تہذیب کا گہوارہ'' یا ''تہذیبوں کا پالنا'' بھی کہا جاتا ہے۔

چار عظیم تاریخی دریاؤں، نیل، اردن، فرات اور دجلہ کے پانیوں سے سیراب ہونے والا ایشیاء کا یہ زرخیز ترین علاقہ بحیرہ روم کے مشرقی ساحلوں سے صحرائے شام کے شمالی علاقوں اور مابین النہرین (دجلہ اور فرات کا درمیانی حصہ) سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔

اس علاقے میں عراق، شام، اُردن، کویت، مصر، اسرائیل، لبنان، فلسطین (غزہ اور مغربی کنارہ) جنوب مشرقی ترکی اور جنوب مغربی ایران کے چند علاقے شامل ہیں۔ زرخیز ہلال کی یہ اصطلاح بین الاقوامی سیاست میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔ دریائے نیل کے طاس کی آبادی 70 ملین، دریائے اردن کے طاس کی تقریباً 20

ملین اور دریائے دجلہ وفرات کے طاس کی 30 ملین ہے، اس طرح زرخیز ہلال کی موجودہ آبادی 120 ملین سے زائد بنتی ہے۔

یعنی یہ مشرق وسطیٰ کی کم از کم ایک تہائی آبادی کا حامل علاقہ ہے۔

یہاں دنیا کے چند قدیم ترین اور اہم شہر واقع ہیں جن میں دمشق، بغداد، قاہرہ، حمص، حلب، یروشلم، غزہ، عمان، بصرہ، بیروت، تل ابیب اور



شامل ہیں۔ برِاعظم ایشیاء کا پست ترین مقام، بحیرہ مردار بھی یہیں واقع ہے۔

2) قفقاز:

قفقاز، یورپ اور ایشیا کی سرحد پر جغرافیائی و سیاسی بنیاد پر مبنی ایک خطہ ہے جسے کوہِ قاف بھی کہا جاتا ہے۔

یہ بحیرہ اسود اور بحیرہ قزوین کے درمیان واقع ایک پٹی ہے۔ یہاں موجود کوہ قاف کا پہاڑی سلسلہ ایشیا اور یورپ کو جدا کرتا ہے۔

یہ علاقہ جنوبی روس، آزربائیجان، آرمینیا اور جارجیا پر مشتمل خوبصورت پہاڑی خطہ ہے۔ سیاسی اعتبار سے قفقاز کو شمالی اور جنوبی حصوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔ ابخازیہ اور جنوبی اوسیشیا کی جزوی طور پر تسلیم شُدہ ریاستیں بھی اس علاقے کا حِصہ ہیں۔

ایشیاء اور یورپ کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ انتہائی درجے کی اہمیت اختیار کر چکا ہے جہاں روس اور امریکا دونوں اپنی برتری چاہتے ہیں۔ باکو، تبلیسی، یراوان اور گروزنی اہم شہر ہیں۔ روس اور جارجیا کی سرحد پر واقع کوہِ البرس، برِاعظم یورپ کا سب سے اونچا مقام ہے۔

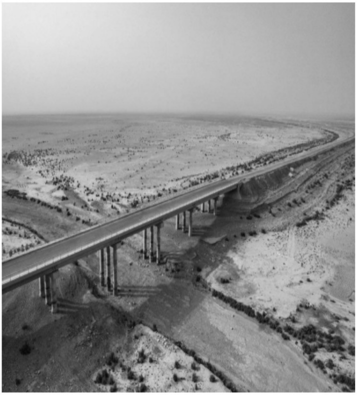
3) اناطولیہ:

اناطولیہ (ایشیائے کوچک) برِاعظم ایشیاء کے انتہائی مغرب میں واقع ایک جزیرہ نما ہے جس



کے شمال میں بحیرہ اسود، جنوب میں بحیرہ روم اور مغرب میں بحیرہ ایجیئن واقع ہے۔

ترک باشندے اسے اناضول یا اناضولو کہتے ہیں۔ترکی کا بیشتر حصہ اسی جزیرہ نما پر مشتمل ہے۔ جہاں ترک، کرد، عرب، یونانی اور آرمینیائی نسل کے لوگ رہتے ہیں۔اناطولیہ کو لاطینی نام ایشیائے



کوچک سے بھی پکارا جاتا ہے۔ازمیر، انقرہ، قونیہ اور انطالیہ یہاں کے بڑے شہر ہیں۔

4) بحرالکاہل کا حلقہ آتش:

یوں تو یہ علاقہ بحرالکاہل کے گرد واقع امریکی وایشیائی ممالک پر مشتمل ہے لیکن اس کا اہم حصہ ایشیاء میں واقع ہے۔

حلقہ آتش ایک اصطلاح ہے جو بحرالکاہل کے گرد پھیلے ہوئے آتش فشانوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ آتش فشاں زمین کی پرتوں میں حرکت اور دباؤ کے باعث اکثر پھٹتے رہتے ہیں اس لیے اس حلقے کو حلقہ آتش کہا جاتا ہے۔ یہ تقریباً 40 ہزار مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ دنیا کے کل 90 فیصد زلزلے اور بڑے زلزلوں میں سے 80 فیصد اس خطے میں آتے ہیں۔ یہ حلقہ جنوبی بحرالکاہل میں وانواٹو اور نیو کیلیڈونیا کے درمیان اور جزائر سولومن کے کناروں کے ساتھ اور نیو برٹن اور نیوگنی کے درمیان سے گذرتا ہے۔

یہاں واقع اہم ممالک میں چلی، پیرو، گوئٹے مالا، بیلیز، ایل سلواڈور، میکسیکو، امریکا، کینیڈا، روس، جاپان، تائیوان، فلپائن، انڈونیشیا، پاپوانیوگنی، ٹونگا اور نیوزی لینڈ شامل ہیں۔ یہ علاقہ بحرالکاہل کے چاروں اطراف میں پھیلا ہے۔

5) ماوراء النہر:

ماوراء النہر (نہر یا دریا سے پار کا علاقہ) وسط ایشیا کے ایک علاقے کو کہا جاتا ہے جس میں آج



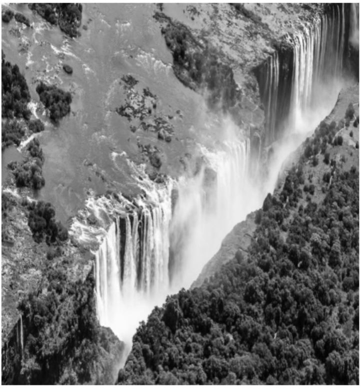
ازبکستان، تاجکستان، جنوبی کیر غیزستان اور جنوب مغربی قازقستان شامل ہیں۔

جغرافیائی طور پر اس کا مطلب آمو دریا اور سیر دریا کے درمیان کا زرخیز علاقہ ہے۔ جہاں پہلے یہ ملک آباد تھا۔ ماوراء النہر کے اہم ترین شہروں میں سمرقند و بخارا، فرغانہ، اشروسنہ اور ترمذ شامل ہیں۔ پانچ صدیوں تک یہ خطہ ایران اور عالم اسلام کا متمدن ترین خطہ رہا ہے۔ یہ علاقہ بہت سے مشہور بزرگانِ دین، علما، دانشوروں، درویشوں اور اولیاء اللہ کا مدفن و مسکن رہا۔

1917 تا 1989ء تک روسی تسلط میں رہا اور اب وسط ایشیائی ریاستوں کا حصہ ہے۔ فارسی کے معروف شاعر فردوسی کے شاہنامے میں بھی ماوراءالنہر کا ذکر ہے۔

براعظم یورپ:

یوں تو سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر یورپ



میں مشرقی اور مغربی حصوں کی تقسیم بہت گہری ہے لیکن اسکے علاوہ بھی یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے خطے ہیں جن کہ نہ صرف اپنی الگ حیثیت ہے بلکہ ان ممالک نے الگ صنعتی بلاکس بھی بنا رکھے ہیں۔

1) بلقان:

بلقان یا جزیرہ نما بلقان جنوب مشرقی یورپ کا تاریخی و جغرافیائی نام ہے۔ اس علاقے کا رقبہ 5 لاکھ 50 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریبا 55 ملین ہے۔ اس خطے کو یہ نام کوہ بلقان کے مشہور پہاڑی سلسلے پر دیا گیا ہے جو بلغاریہ و سربیا کی سرحد سے لے کر "بحیرہ اسود" تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں موجود ممالک کو عموما بلقانی ریاستیں کہا جاتا ہے۔

اسے اکثر جزیرہ نما بلقان بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے تین جانب سمندر ہے جن میں مشرق میں بحیرہ اسود اور جنوب اور مغرب میں بحیرہ روم کی شاخیں (بحیرہ ایڈریاٹک، بحیرہ آیونین، بحیرہ ایجیئن اور بحیرہ مرمرہ) ہیں۔ اسکی شمالی حدود پہ دریائے ڈینیوب اور ساوا بہتے ہیں۔

(جاری ہے)



اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توفیق عطاء فرمائے۔ آج ان شاء اللہ کئی باتیں عرض کرنی ہیں...... اب معلوم نہیں کہ تمام باتیں عرض ہوسکیں گی یا کچھ رہ جائیں گی...... سب سے پہلے تو آپ سب کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کرنا ہے...... یہ تحفہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاء...... اور پھر اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''اللّطیف'' کے بارے میں چند باتیں بیان کرنی ہیں...... اور آخر میں تذکرہ ایک خوش نصیب مسلمان کا......

حضرت داؤد علیہ السلام کی عجیب دعاء

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام...... اللہ تعالیٰ کے اُن ''انبیاء کرام'' میں سے ہیں جن کا مبارک تذکرہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر آیا ہے...... اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ''زبور'' عطاء فرمائی...... اور انہیں زمین پر خلافت و بادشاہت بھی نصیب فرمائی...... حضرت داؤد علیہ السلام نے کم عمری کے زمانے میں ''جالوت'' نامی بڑے کافر کو قتل فرمایا...... نادان لوگ کہتے ہیں کہ جہاد و قتال انبیاء علیہم السلام کا کام نہیں...... حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں یہ تاثیر تھی کہ لوہا آپ کے ہاتھوں میں آتے ہی نرم ہو جاتا تھا اور آپ اُس لوہے سے جنگی زرہیں بنایا کرتے تھے...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت عجیب نورانی اور دلکش ''آواز'' عطاء فرمائی تھی...... آپ جب ''زبور'' کی تلاوت فرماتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مگن ہو جاتے...... جہاد اور عدل وانصاف کی برکت سے آپ کی سلطنت زمین کے ایک بڑے حصے پر پھیل گئی

تھی...... شام، عراق، فلسطین، شرق اردن...... خلیج عقبہ سے لیکر فرات کے تمام علاقے اور حجاز کے کئی حصّے آپ کی سلطنت میں شامل تھے...... اتنی بڑی بادشاہت کے باوجود آپ ملکی خزانے سے ایک دانہ تک نہیں لیتے تھے...... بلکہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لئے خود محنت کر کے رزق حلال کماتے تھے...... صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ ''انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شک اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے (بخاری، کتاب التجارۃ)

بعض دوسری روایات میں مالِ غنیمت کو ''پاکیزہ ترین'' رزق قرار دیا گیا ہے...... حضرت داوٗد علیہ السلام کے فضائل، مناقب، خصوصیات اور قصّے بہت زیادہ ہیں...... اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم، مقرّب اور شان والے نبی کے حالات معلوم کرنے ہوں تو قرآن پاک کے درج ذیل مقامات کا کسی مستند تفسیر کے ذریعہ مطالعہ کریں......

○ سورۃ البقرہ آیت (۱۰۲) اور (۲۵۱) ○ سورۃ النساء آیت (۱۶۳) ○ سورۃ المائدہ آیت (۷۸) ○ سورۃ الانعام آیت (۸۴ تا ۹۰) ○ سورۃ الاسراء آیت (۵۵) ○ سورۃ الانبیاء آیت (۷۸ تا ۸۲) ○ سورۃ النمل آیت (۱۰ تا ۴۴) سورۃ سبأ آیت (۱۰) اور (۱۴) ○ سورۃ ص آیت (۱۷ تا ۴۰)...... ان تہتر (۷۳) آیات میں سولہ مقامات پر حضرت داوٗد علیہ السلام کا نام مبارک بھی مذکور ہے...... قرآن پاک نے یہ بھی بتایا ہے کہ...... اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھلا دیں تھیں...... اور بھی آپ کے معجزات بہت زیادہ ہیں...... آج ہمارا موضوع حضرت سیدنا داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ نہیں بلکہ ایک دعاء ہے......

اور یہ دعاء حدیث شریف کی مشہور کتاب ''مصنّف ابن ابی شیبہ'' کی ''کتاب الدّعاء'' کے چالیسویں باب میں مذکور ہے...... حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داوٗد علیہ السلام یہ دعاء مانگا کرتے تھے......

اَللّٰھُمَّ خَلِّصْنِیْ مِنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: یا اللہ مجھے ہر اُس مصیبت سے بچایئے جو آج کی رات آسمان سے زمین پر نازل ہوئی ہے......

اور یہ دعاء فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَھْمًا فِیْ کُلِّ حَسَنَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ

ترجمہ: یا اللہ مجھے اُس بھلائی (اور خیر) میں سے حصّہ عطاء فرمایئے جو بھلائی آج کی رات آسمان سے زمین پر اُتری ہے......

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء)

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ......حضرت داؤد علیہ السلام پہلی دعاء سورج غروب ہونے کے وقت تین بار مانگتے تھے ......اور دوسری دعاء صبح سورج طلوع ہونے کے وقت تین بار فرماتے تھے......اللہ اکبر کبیرا، سبحان اللہ......یہ دونوں دعائیں بہت نافع، بہت مفید اور بہت پُر اثر ہیں......

رات کے وقت آسمان سے خیر اور شر دونوں نازل ہوتے ہیں......پہلی دعاء میں ہر شر سے حفاظت مانگی گئی اور دوسری دعاء میں ہر خیر میں سے حصّہ مانگا گیا ہے......دل چاہتا ہے کہ......یہ میٹھی اور طاقتور دعاء ہر مسلمان یاد کرلے اور دل کی توجہ سے اس کا اہتمام کرے......

(۱) اَللّٰھُمَّ خَلِّصْنِیْ مِنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ... (تین بار)

(۲) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَھْمًا فِیْ کُلِّ حَسَنَۃٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَۃَ مِنَ السَّمَاءِ فِی الْاَرْضِ... (تین بار)

یالطیف

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں کو ''اسماء الحسنیٰ'' کہتے ہیں......اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ......وہ اللہ تعالیٰ کو ان پیارے پیارے ناموں سے پکاریں......اور ان ناموں کو پکار کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں......''اسماء الحسنیٰ'' میں سے سب سے مستند ''اسماء'' (یعنی نام) وہ ہیں جو قرآن پاک میں آئے ہیں ......اسماء الحسنیٰ کے بارے میں آپ نے مزید تفصیلات جاننی ہوں تو ''تحفہ سعادت'' نامی کتاب کا مطالعہ کریں......جبکہ عربی اور اُردو میں اس موضوع پر بہت عمدہ کتابیں موجود ہیں......بات دراصل توفیق کی ہے......اللہ پاک کی نظرِ رحمت ہو جائے تو انسان پر......علم اور توفیق کے دروازے کُھلتے چلے جاتے ہیں......

قریب کا قصہ ہے کہ ایک شخص بہت پریشان تھا......وہ ہر طرف سے مصائب میں گھر چکا تھا......ایک رات اُس نے خواب میں اپنے ''شیخ'' کی زیارت کی......انہوں نے فرمایا کہ ''اسماء الحسنیٰ'' پڑھا کرو......آپ یقین کریں کہ......اُس نے جیسے ہی ''اسماء الحسنیٰ'' کا باقاعدہ وِرد شروع کیا تو حالات بہتر ہوتے چلے گئے......دراصل ''اسماء الحسنیٰ'' خیر، بھلائی اور حَسنَات کا خزانہ ہے......مالک کی مرضی کہ جس کو اس خزانے میں سے جتنا عطاء فرمادے ......حضرات صحابہ کرام تو اسماء الحسنیٰ میں سے چند ایک پڑھ کر دعاء کرتے تھے اور اپنے گھوڑے سمندروں میں ڈال دیتے تھے ...... آج کل بہت سے لوگ حالات کی تنگی اور پریشانی کا شکوہ کرتے ہیں......اُن سے گزارش ہے کہ کچھ توجہ

اسماء الحسنیٰ کی طرف بھی کریں……اللہ تعالیٰ کے ’’اسماء الحسنیٰ‘‘ میں سے ایک ’’اللطیف‘‘ جلَّ شانہ ہے……اللہ تعالیٰ کا یہ مبارک ’’اسم‘‘ قرآن پاک کی کئی آیات میں مذکور ہے……اور ہر آیت میں اس ’’اسم مبارک‘‘ کی الگ تاثیر کی طرف واضح اشارہ ہے……

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ’’شانِ لطیفی‘‘ پوری طرح ظاہر ہوئی……چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والدین کو لے کر مصر کے ’’تختِ حکمرانی‘‘ پر جلوہ افروز ہوئے……اور آپ کے والدین اور آپ کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بے ساختہ پکار اٹھے……اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآئُ……بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اُسے اپنی خفیہ تدبیر……اور مخفی طریقے سے پورا فرما دیتا ہے……

ظاہری طور پر بہت سی چیزوں میں ’’شر‘‘ نظر آرہا ہوتا ہے……مگر اللہ تعالیٰ جو ’’لطیف‘‘ ہے وہ نہایت لُطف، لطافت، اور باریکی کے ساتھ اُن چیزوں کا انجام بہت خیر والا بنا دیتا ہے……

ظاہری طور پر بھائیوں کا حسد، والدین سے جُدائی، قید و بند، جھوٹی تہمتیں……اور دربدری ہے……مگر اللہ تعالیٰ نہایت لطافت اور باریکی کے ساتھ انہیں راستوں سے اُن کو……نبوت، خلافت اور دنیا و آخرت کی سعادت کی طرف لے جا رہا ہے……اگر یہ مصیبتیں نہ آتیں تو پھر اتنے اُونچے علوم اور اتنے اُونچے مقام تک پہنچنا آسان نہ ہوتا……اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھ لیں……ظاہری طور پر وہ امتحانات اور مصائب میں ڈالے گئے……

مگر بعد میں سب نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی تدبیر نے ہر چیز کا انجام بہترین بنا دیا……حضرات مفسرین نے ’’اللطیف‘‘ کے بائیس (۲۲) معانی لکھے ہیں……ہم اُن میں سے بعض کو یہاں نقل کر رہے ہیں……

تا کہ ہم جب اپنے رب کو ’’یا لطیف‘‘ کہہ کر پکاریں تو ہمارے ذہن میں……اس نام کی عظمت اور زیادہ روشن ہو……

(۱) اللطیف:……اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے والا……اور اُن پر ایسے طریقے سے احسان کرنے والا جس کا انہیں گمان تک نہ ہو۔

(۲) اللطیف: نہایت محبت کے ساتھ اپنے بندوں کی حاجتیں پوری فرمانے والا……

(۳) اللطیف: اپنے اُن بندوں پر لطف و کرم کی بارش برسانے والا جو مخلوق سے مایوس ہو کر اُس پر توکل کرتے ہیں……جب وہ اُس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں تو وہ اُن کی دعاء قبول فرماتا ہے……اور اُن کی طرف توجہ فرماتا ہے……

(۴) اللطیف: اپنے بندوں کی خوبیاں لوگوں میں پھیلانے والا اور اُن کے گناہوں کو

لوگوں سے چھپانے والا......

(۵) اللطیف: تھوڑا قبول کرنے والا اور زیادہ دینے والا......

(۶) اللطیف: اپنے بندوں کو اُن کی اہلیت سے زیادہ دینے والا اور اُن پر اُن کی طاقت سے کم کا بوجھ ڈالنے والا......

(۷) اللطیف: وہ جو اپنی نافرمانی کرنے والوں کو جلدی نہیں پکڑتا اور اپنے سے اُمید رکھنے والوں کو ناکام نہیں فرماتا......

(۸) اللطیف: اُن پر رحم فرمانے والا جو اپنے اوپر رحم نہیں کرتے......

(۹) اللطیف: وہ جس تک انسان کے خیالات تک نہیں پہنچ سکتے......

(۱۰) اللطیف: ہر مشکل کو آسان فرمانے والا اور ہر نقصان کی تلافی فرمانے والا......

آپ نے اندازہ لگایا کہ......کتنا بڑا سمندر ہے ......جی ہاں رحمتوں کا میٹھا سمندر...... نرمی، محبت، مخفی طریقوں سے خیر پہنچانا......اور اپنے بندوں پر اُن کے حق سے زیادہ رحمت فرمانا......آج ہم سب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے محتاج ہیں......

اس لئے خوب توجہ اور اہتمام کے ساتھ یا اللہ یا لطیف کا ورد کریں......خوب ورد کریں اور اس نام مبارک کا خوب مراقبہ کریں......

اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے پردوں میں چُھپ جائیں، گُم ہو جائیں......ڈوب جائیں اور نور اور سکون کے لمبے لمبے غوطے لگائیں......

اَللّٰھُمَّ یَا لَطِیْفُ، یَالَطِیْفُ، یَالَطِیْفُ اُلْطُفْ بِنَا بِلُطْفِکَ الْخَفِیِّ یَا لَطِیْفُ اُلْطُفْ بِنَافِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ... آمین...

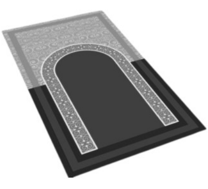
اگر آپ نے اسلاف اور اکابر سے منقول ''یالطیف'' کے ورد کے بعض طریقے معلوم کرنا ہوں تو......لطف اللطیف اور تحفہ سعادت نامی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں......اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس مبارک ''اسم'' اور تمام ''اسماء الحسنیٰ'' کی برکات دنیا و آخرت میں نصیب فرمائے......

معذرت

شروع میں تین باتیں عرض کرنے کا ارادہ لکھا تھا......مگر ''کالم'' مکمل ہوگیا اور ایک بات رہ گئی......انشاء اللہ اگلی کسی مجلس میں اُسے بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی......

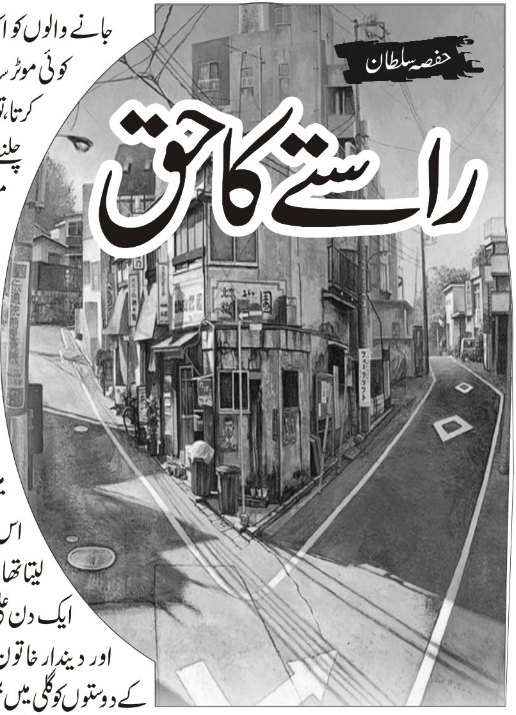
اللھم صلّ علیٰ سیدنا و مولانا محمد عدد مافی علم اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ عزوجلّ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆



راستے کا حق

حفصہ سلطان



علی ایک شریف اور نیک دل لڑکا تھا۔ محلے میں سب اس کی تعریف کرتے تھے۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر بھی عمل کرتا تھا۔

☆......☆......☆

علی اکثر شام کے وقت محلے کی تنگ گلی کے کنارے بیٹھتا تھا۔ گلی میں زیادہ جگہ نہیں تھی، اور جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتا، تو آنے جانے والوں کو اکثر مشکل پیش آتی تھی۔ کبھی کوئی موٹر سائیکل گزرنے کی کوشش کرتا، تو رکنا پڑتا اور کبھی کوئی پیدل چلنے والا بزرگ یا خاتون مشکلات کا سامنا کرتے۔

علی کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ اس کا یہ عمل دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بن رہا ہے۔

اس کے دوست تو بس ہنسی مذاق اور گپ شپ میں مگن رہتے تھے، اور کوئی اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا۔

ایک دن علی کی امی، جو کہ ایک سمجھدار اور دیندار خاتون تھیں، نے اسے اور اس کے دوستوں کو گلی میں بیٹھے دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ خاتون گلی سے گزرنے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے انہیں رکنا پڑا۔

علی کی امی نے سوچا کہ اس معاملے میں وہ علی کی اصلاح کریں گی۔

شام کو جب علی گھر آیا، علی کی امی نے اس سے نرمی سے کہا۔

”بیٹا! میں نے آج تمہیں اور تمہارے دوستوں کو گلی میں بیٹھا دیکھا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اس سے لوگوں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے؟“

''امی! ہم تو صرف بیٹھے تھے، ہمیں تو کسی نے کچھ نہیں کہا اور نہ ہم نے کسی کو کچھ کہا۔'' علی نے حیرانی سے جواب دیا۔

اس کی امی نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا اور کہا۔

''بیٹا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں راستے کا حق ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔''

''راستے کا حق؟'' علی نے امی سے سوال کیا۔

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو!''

صحابہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! وہاں تو ہماری بیٹھک ہوتی ہے، ہم وہاں باتیں کرتے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تمہیں وہاں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو!''

صحابہ نے عرض کیا:

''راستے کا حق کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نظروں کو جھکانا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا۔''

(صحیح بخاری: 2465، صحیح مسلم: 2121)

''بیٹا! میں جانتی آپ کا مقصد کسی کو تکلیف دینا نہیں ہوتا لیکن آپ کے اس عمل سے جانے انجانے میں لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے۔'' امی نے بہت پیار اور شفقت سے علی کو سمجھایا۔

علی کو حدیث سن کر جھٹکا لگا۔ وہ شریف دل لڑکا تھا اور ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر اس بات کا احساس نہ تھا کہ اس کا یہ معمولی عمل دوسروں کے لیے مسئلہ بن رہا ہے۔

اس نے فوراً امی سے معذرت کی اور کہا۔

''امی! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ہم لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بن رہے ہیں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا کہ ہم گلی میں نہ بیٹھیں اور اگر بیٹھنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھیں جہاں کسی کو مشکل پیش نہ آئے۔''

☆......☆......☆

علی نے اگلے دن اپنے دوستوں سے بھی بات کی اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی۔

''راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ایمان کا حصہ ہے۔'' (صحیح بخاری)

☆......☆......☆

اس دن کے بعد، علی اور اس کے دوستوں نے تنگ گلی میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔

جب بھی ملنا ہو یا تو مسجد کے پاس بیٹھ جاتے یا کسی پارک میں اور جب بھی وہ کہیں بیٹھتے، تو خیال رکھتے کہ کسی کو ان سے تکلیف نہ ہو۔

☆......☆......☆

ضبط

انجم شاہین

"بیٹا! چائے پی لو!" ناصر نے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا۔

اماں چائے کا کپ لیے دروازے میں کھڑی تھیں۔ اس کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انٹرویو پر جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔

"بیٹا! تو نے چائے نہیں پی۔ چائے۔۔۔"

لیکن ناصر چوکھٹ پار کر کے جا چکا تھا۔

پتہ نہیں اس نے چائے کیوں نہیں پی۔ اماں سوچتے سوچتے کچن میں کپ رکھنے گئیں تو وہاں پہلے سے ایک اور چائے کا کپ دیکھ کر الجھ کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

"ناصر بیٹا! کھانا کھا لو!" اماں کوئی تیسری بار اسے جگانے آ گئیں تھیں۔

"اماں! خدا کے لیے مجھے سونے دیں!" ناصر سرخ آنکھوں کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

"بیٹا وہ تو بھوکا سویا ہوا ہے ناں تو مجھے بھی نیند نہیں آ رہی۔" اماں کے لہجے میں کیسی بے چارگی تھی۔

ایک لمحے کو ناصر کے دل کو کچھ ہوا لیکن پھر سارے دن کی تھکاوٹ اعصاب پر غالب آ گئی۔ وہ کوئی جواب دیے بنا تیزی سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں جا کر دھاڑ سے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور سو گیا۔

☆......☆......☆

"پتہ نہیں اتنا غصہ کیوں ہو جاتا ہے۔ کچھ بتاتا بھی نہیں ہے۔۔۔ یا شاید میں ہی بھول جاتی ہوں۔۔۔" اماں سوچوں میں گم تھیں۔

آج اتوار تھا اور اماں نے ناصر کے لیے اس کی پسندیدہ مٹن کڑاہی بنائی تھی۔ ناصر بھی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اچانک اماں کو کچھ خیال آیا۔



''ناصر! وہ تجھے جاب مل گئی؟''

ناصر کا چہرہ اتر گیا۔

''اماں! کل شام سے اتنی بار بتا چکا ہوں کہ مجھے جاب نہیں ملی۔ پھر بھی آپ بار بار پوچھ کر مجھے مزید پریشان کیوں کرتی ہیں؟''

اماں خاموش سی ہوگئیں۔ ناصر نے بس جیسے تیسے کھانا ختم کیا۔

☆......☆......☆

آج وہ بہت تھک گیا تھا۔ نئی نئی جاب تھی اور باس کو خوش کرنے کے لیے وہ جی توڑ محنت کر رہا تھا۔ رات کا کھانا کھا کر وہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ اچانک اماں چلی آئیں۔

''ناصر! کھانا کھالو بیٹا! تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' اماں نہایت فکرمند لگ رہی تھیں۔

''اماں!!'' ناصر نے بے بسی سے اماں کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات بھول چکی تھیں۔

''اماں! دیکھیں میں نے اور آپ نے ابھی کھانا کھایا تو ہے۔ آپ کیوں بار بار بھول جاتی ہیں۔ مجھے پلیز سونے دیں اماں۔ ایک تو میں آج اتنا سخت تھکا ہوا ہوں اوپر سے آپ کی باتیں۔ میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا کیونکہ اب آپ کا یہ مرض میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔'' نہایت غصہ میں وہ بولتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

''اماں!'' آج اسے کوئی جگانے نہیں آیا تھا۔ وہ آفس سے بھی دو گھنٹے لیٹ ہو چکا تھا۔ پورے گھر میں خاموشی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھا۔

رات کو میں زیادہ ہی بول گیا۔ لگتا ہے اماں ناراض ہیں۔ اس نے سوچا اور جلدی سے اماں کے کمرے میں چلا آیا۔

یہ کیا؟ اماں دوسری طرف منہ کیے لیٹی تھیں۔ نیچے دری پر ایک پرانے سے قاعدے کے زرد صفحے پنکھے کی ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

''اماں!'' اس نے اماں کو پکارا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کا کمزور وجود ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ لگتا تھا وہ بہت دیر سے رو رہی ہیں۔

''اماں! آپ۔۔!!'' ناصر نے آگے آ کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا لیکن اس کی نظر پھٹے ہوئے قاعدے پر جم کر رہ گئی۔ اسے کچھ یاد آنے لگا۔

☆......☆......☆

''اماں یہ کیا ہے؟''

''بیٹا! یہ بلی ہے۔''

ننھے ناصر نے صفحہ پلٹ دیا۔

''اماں یہ کیا ہے؟''

''بیٹا! یہ پنکھا ہے۔''

''اماں! یہ کیا ہے؟''

''میرے جگر! یہ تتلی ہے۔''

''اماں یہ کیا ہے؟''

''میرے چاند! یہ ٹوپی ہے۔''

''اماں! یہ کیا ہے؟''

''میرے سوہنے بچے! یہ ثمر ہے''

''اماں یہ کیا ہے؟''

''اماں یہ کیا ہے؟''

اردو کے قاعدے کے بعد انگریزی کے قاعدے کی باری آتی۔لیکن بیگ میں رکھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی پھر اس کو رنگ برنگی چیزیں اپنی طرف بلانے لگتیں۔وہ پھر سے کتابیں کھول کر بیٹھ جاتا اور اماں سے پوچھنے لگتا۔

''اماں یہ کیا ہے؟''

''اماں یہ کیا ہے؟''

اور کپڑے سی سی کر تھکی ہاری اماں۔۔۔سر پر درد کی پٹی باندھے اماں۔۔۔ اماں باورچی خانے میں کالے دیگچوں کو رگڑ رگڑ کر صاف کرتی اماں۔۔۔پھر سے اس کے ہر سوال پر صدقے واری جانے لگتیں۔مجال ہے جو ان کے ماتھے پر ایک شکن بھی آئی ہو۔بلکہ ننھے ناصر کے ہر سوال پر ان کا پیار پہلے سے زیادہ بڑھ جاتا۔ان کے لہجے کی شیرینی میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو جاتا۔

☆......☆......☆

ناصر کی شرمندگی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔آج ایک پھٹے ہوئے قاعدے نے اس کو بہت قیمتی سبق یاد لا دیا تھا۔

''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائے۔تو ان کو اُف تک نہ کہو۔اور نہ ان کو جھڑکو۔بلکہ ان سے نرمی سے بات کرو۔اور اپنے بازوں کو نرمی اور عاجزی سے ان کے سامنے پھیلاؤ۔اور ان کے لئے یوں دعا رحمت کرو۔اے میرے پروردگار (تو ان) پر اس طرح رحم فرما جس طرح ان لوگوں نے بچپن میں مجھ پر (رحمت اور شفقت) عطا کی۔'' (سورۃ بنی اسرائیل)

☆......☆......☆

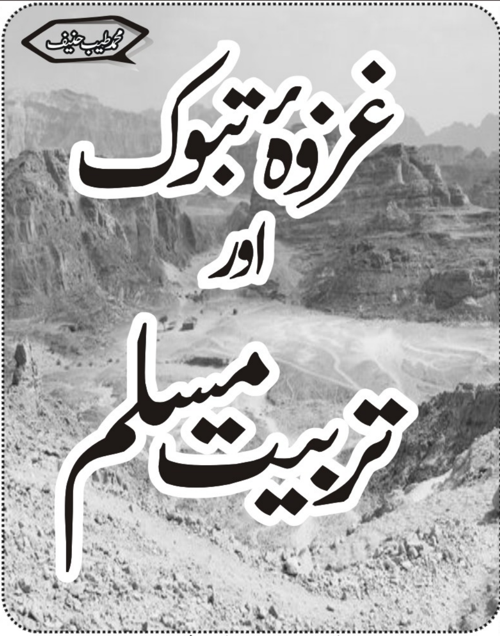
ان گنت شاعروں نے ماں کو پھول چاندنی اور خوشبو کی تشبیہات میں بسایا ہے لیکن بہت ہی کم بیٹے ماں کو اس کے بڑھاپے اور بیماری میں سنبھال سکے ہیں۔کئی رشتے پرخلوص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ صرف ماں ہوتی ہے جو بچوں کی بے حسی اور تلخ کلامی کے بعد بھی ان سے بے لوث پیار کرتی ہے اور کبھی اپنی محبتیں جتاتی نہیں۔

روح کے رشتوں کی یہ گہرائیاں تو دیکھئے
چوٹ لگتی ہے ہمارے اور چلاتی ہے ماں
ہڈیوں کا رس پلا کر اپنے دل کے چین کو
کتنی ہی راتوں میں خالی پیٹ سو جاتی ہے ماں
سامنے بچوں کے خوش رہتی ہے ہر ایک حال میں
رات کو چھپ چھپ کہ لیکن اشک برساتی ہے ماں
کب ضرورت ہو مری بچے کو، اتنا سوچ کر
جاگتی رہتی ہیں آنکھیں اور سو جاتی ہے ماں
دیر ہو جاتی ہے گھر آنے میں اکثر جب کبھی
ریت پر مچھلی ہو جیسے ایسے گھبراتی ہے ماں
ہم بلاؤں میں کہیں گھِرتے ہیں تو بے اختیار
خیر ہو بچے کی کہہ کر در پہ آجاتی ہے ماں
ہم نے یہ بھی تو نہیں سوچا الگ ہونے کے بعد
جب دیا ہی کچھ نہیں ہم نے تو کیا کھاتی ہے ماں
ضبط تو دیکھو کہ اتنی بے رخی کے باوجود
بد دعا دیتی ہے ہرگز اور نہ پچھتاتی ہے ماں

☆......☆......☆

غزوۂ تبوک اور تربیتِ مسلم

محمد طیب حنیف



رجب سن ۹ ھ کا واقعہ ہے، جس میں مسلمانوں کے خلاف بنسبت مشرکین عرب و یہود کے زیادہ سخت و جنگجو رومن امپائر کی فوج برسرپیکار ہوئی، جنہیں نصف دنیا پر حکمرانیت کا طُرّہ امتیاز حاصل تھا، جس کی مسلح افواج نے حال ہی میں سلطنتِ ایران کو شکست سے دوچار کیا تھا، جن کی وسعتِ مالی، قوتِ بدنی و عسکری نظام وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک ''پرِ کاہ'' کا ''کوہ'' سے مقابلہ ہے۔

علاوہ ازیں عرب عیسائی قبائل لخم، جزام، عاملہ، قبیلہ غسان وغیرہ بھی مقامِ موتہ پر ہونے والی شکست فاش کا بدلہ وانتقام لینے کے واسطے بے چین و بے تاب اُن کے شانہ بشانہ شریک تھے۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کی زبوں حالی کا کچھ یوں حال تھا، جس کی تفصیل سے متعلق مشہور مؤرخ ابن اسحاقؒ رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانثار صحابہؓ کو رومیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ کسمپرسی کی حالت میں، سخت گرمی، قحط سالی کا شکار تھے، جبکہ مدینہ کے نخلستان میں کھجوریں پک رہی تھیں (جس کا شدت سے انتظار رہتا تھا)، جس پر اُگنے والی کھجوروں اور ان کے زیرِ سایہ بیٹھنے کو ہر چیز سے محبوب جانا جاتا تھا، نیز ان پیش آمدہ حالت میں خود کو دھکیلنا طبیعت پر شاق و گراں معلوم ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس سمت سے جہاد پر روانگی کا قصد فرماتے اس کو عام لوگوں پر مخفی رکھتے اور اس کے خلاف جہت کو (توریۃً) بیان فرماتے تھے، مگر غزوۂ تبوک وہ واحد معرکہ تھا کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافت کی دوری، حالات کی سختی اور فریق مخالف کی کثرتِ تعداد کے سبب لوگوں کو صراحتاً سمتِ سفر سے آگاہ کیا، تاکہ لوگ حسبِ حالت زادِ

راہ تیار کرلیں۔‘‘

اس معرکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جاں نثاری اُخوت اسلامی کے اُن گراں قدر جذبات کا اظہار کیا کہ اوراقِ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ نیز اس میں قیامت تک کے انسانوں کے واسطے مختلف حیثیتوں سے تربیتی پہلوں نمایاں ہوتے ہیں، جس کو مشعل راہ بناتے ہوئے انسان دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے ترقی کی منازل بآسانی طے کرسکتا ہے، جن میں سے چند فوائد ہدیہ قارئین ہیں:

راہِ خدا میں قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نفیرِ عام کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صدا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد کا ضروریات زندگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جہاد کے لیے نکلنا ان کے پاک طینت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ نیز اس کسمپرُسی کی کیفیت اور مسلمانوں کی شکستہ حالی کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام تعاون کا اعلان کیا اور اس میں صدقہ خیرات کی ترغیبی مہم چلائی، جس پر شمعِ رسالت کے پروانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس میں حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۹۰۰ اونٹ، ۱۰۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کرکے ”مجھز جیش العسرۃ“ کے لقب سے سرفراز ہوئے، جبکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چالیس ہزار درہم راہِ خدا میں صرف کرکے مستحق اجر ہوئے۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

نیکی کے کاموں میں منافست و مسابقت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ملتا ہے کہ میں نے سوچا کہ آج کے دن تو میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بازی مار سکتا ہوں، چونکہ میری مالی حالت ان سے قدرے خوشحال ہے، اس بنا پر وہ اثاث البیت کا نصف جو ڈھائی ہزار روپیہ پر مشتمل تھا، پیش خدمت کیا، مگر قربان جائیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانثاری پر، جنہوں نے گھر میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سوا کچھ بھی باقی نہ چھوڑا، گھر میں جو کچھ تھا، سب خدا کے نام پر نثار کردیا۔ جب یہ منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تو فرمایا کہ: مجھے معلوم ہوگیا، میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کبھی بازی نہیں جیت سکتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ)

تعداد کی قلت و کثرت پر اعتماد

رومن امپائر افواج کی تعداد تقریباً ۴۰۰۰۰ (چالیس ہزار) تھی، جبکہ اس کے بالمقابل مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر ”کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ“ کا والہانہ نعرہ بلند کیے عشقِ نبوی سے سرشار وادیوں و بستیوں کو قطع کیے جارہے تھے۔

عذر تراشی جرم میں اضافہ

مسلمانوں کے ہمراہ منافقین کی ایک بڑی تعداد اس سفر میں شریک ہوئی، مگر ان کی ایک جماعت نے مدینہ ہی میں تراشیدہ اعذار کے انبار لگا کر رخصت کا سوال کیا، جیسا کہ منافق جد بن قیس

نے یہ عذر گڑھا کہ میں نہایت حسین وجمیل ہوں، بنو اصفر کی خواتین کو دیکھ کر نفس پر قابو نہیں پا سکتا، لہٰذا اس ابتلاء و فتنہ سے مجھے محفوظ رکھیں، جس کی شناعت وفتنہ میں پڑ جانے کو قرآن مجید نے یوں آشکارا کیا: ”وَمِنھُم مَّن یَّقُولُ ائذَن لِّي وَلَاتَفْتِنّي أَلَافِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔“ (تفسیر قرطبی)

اس کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ہمنوا و ہم مشرب افراد مدینہ کے قریب ذُباب پہاڑی تک شریک ہوئے اور پھر موقع کو غنیمت جان کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

امورِ دینیہ میں رخنہ ڈالنے پر تنبیہ

منافقین کی ایک بڑی تعداد خود تو شرکت سے باز رہی، جبکہ سویلم یہودی کے گھر جمع ہو کر سادہ لوح مسلمانوں کو جہاد جیسے عظیم امر سے روکنے کی مہم کا آغاز کیا، جیسا کہ قرآن مجید نے ان کا جملہ حکایۃً نقل کر کے ان کو سخت ڈانٹ پلائی:

”وَقَالُوْا لَاتَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا۔“ (البقرۃ: ۸۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس یہودی کے گھر کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۷)

فرائض کی تکمیل نہ ہونے پر غم کا اظہار

ایک طرف تو منافقین نے مختلف اعذار تراشے، اپنے تئیں خود کو جنگی صعوبتوں سے باز رکھا، تو دوسری جانب مالی اعتبار سے پسپاں حال مسلمانوں کی ایک جماعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشکبار حالت میں حاضرِ خدمت ہوئی، جس کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے:

”وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآاَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ“ (البقرۃ: ۹۲)

ترجمہ: ”اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کردو، اور تم نے کہا کہ: میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرسکوں، تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔“

احسان و مالی تعاون

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھی سواری و زادِ راہ کا انتظام نہ ہو سکا تو ان حضرات کا نہایت افسردگی کے عالم میں حضرت ابن یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا، ان سے رونے کی وجہ معلوم ہونے پر انہوں نے سواری کے واسطے اونٹ اور زادِ راہ کے لیے کھجوریں فراہم کر کے امت کو ہمدردی کے جذبات کا ثبوت دیا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

سفرِ تبلیغ و جہاد میں نیابت کا اہتمام

یہ پہلا معرکہ تھا جس میں کسی زوجہ محترمہ کو ہمراہ

لیے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عازمِ سفر ہوئے، اس بنا پر اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور سفر پر روانہ ہوئے، مگر منافقین نے ان کو پست ہمت وابتلاء نفاق کے طعنے دیتے ہوئے موردِ الزام ٹھہرایا، جس پر کبیدہ خاطر ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا رختِ سفر باندھا اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقامِ جُرف پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے سے جاملے، مگر اطلاع ملنے پر آپ نے انہیں دوبارہ لوٹنے کا حکم دیا، نیز ارشاد فرمایا:

”اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ، مِنْ مُّوسٰی إِلَّا اَنَّهٗ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ۔“ (صحیح البخاری)

”کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے اس نسبت کا شرف حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور جانے پر (نسبتِ نیابت کا شرف) حاصل ہوا؟“

یہ سن کر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مطمئن ہو کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔

نوٹ:

اس سے معلوم چلا کہ داماد کو بھی اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا جاسکتا ہے، نیز ”اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰی“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی کو بھی اس خدمت پر مامور کیا جاسکتا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں حیثیتوں کی جامع شخصیت تھے۔

عذابِ الٰہی کا مظہر بستیاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ جب مقام حجر کو پہنچا، جہاں قومِ ثمود کے کھنڈرات تھے، جہاں ہزاروں برس قبل حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کی صدا بلند کی تھی، مگر ان کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے ظلم وتعدی کی داستان رقم کرنے پر حق تعالیٰ شانہ نے ان پر زلزلے وکڑک کا عذاب مسلط کر کے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا، البتہ پہاڑوں میں تراشیدہ قصر ومحلات زبانِ حال سے ان کی داستانِ عبرت سنا رہے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی:

”ان ظالم لوگوں کی آبادی ومسکن سے گزرتے ہوئے حق تعالیٰ سے ڈرو، مبادا یہ کہ وہی عذاب تم پر نازل نہ ہو جائے، کوئی شخص بھی یہاں قیام کی کوشش نہ کرے، یہاں کا پانی استعمال میں نہ لائے، اور جو پانی استعمال کر کے آٹا وغیرہ گوندھا گیا ہو، اسے جانور کے سامنے ڈال دیا جائے۔“ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۴۱۸)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبرت ناک مقام کو چہرۂ انور پر رومال ڈالے تیزی سے عبور کیا۔ حساس اور لطیف مزاج انسان کو عذاب زدہ مقامات پر ہزارہا سال بعد بھی ایک وحشت وغضب اُترتا محسوس ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ایسے اثرات کا احساس بھلا کس کو ہو سکتا تھا۔ (تاریخ امت مسلمہ، جلد اول، ص: ۳۶۴)

غیرتِ شرعی ایمان کا حصہ ہے

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ سفرِ تبوک سے گرمی کی شدت کے پیشِ نظر لوٹ آئے تھے، جب اپنے باغ کے سایہ فگن خیمے میں داخل ہوئے اور اہلیہ کی جانب سے ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو غیرتِ ایمانی واخوتِ اسلامی نے جوش مارا اور فرمانے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ سخت گرمی کی تپش سے دوچار ہوں اور ابوخیثمہ یہاں ٹھنڈی چھاؤں وشیریں پانی سے لطف اندوز ہو، ضمیر نے ایسا جھنجھوڑا کہ اسی وقت قسم اُٹھائی کہ اس باغ میں قدم بھی نہ رکھوں گا، حتیٰ کہ دوبارہ ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاؤں، بہر حال اسی وقت عازمِ سفر ہوئے اور حاضرِ خدمت ہوئے، تاخیر کی وجہ دریافت کیے جانے پر سارا ماجرا بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوب خیر کی دعاؤں سے نوازا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۲۱)

چھوٹوں کی رائے کو اہمیت

روایت میں آتا ہے کہ سفر کے دوران بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے سواری کے جانور ذبح کرکے کھانے پر مجبور تھے، جب یہ سارا منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس عمل سے اصحاب کو روک دیجئے، اس طرح تو سفر سے واپسی میں شدید دقت پیش آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اس کے علاوہ دوسری راہ کیا ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیرکی ودانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ سب کے پاس موجود زادِ راہ جمع فرمالیں، اور آپ اس پر برکت کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ کی طرف سے راہ ہموار ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا، آپ نے اعلان کیا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پاس جو تھوڑا بہت زادِ راہ محفوظ تھا، سب ایک چمڑے کے دسترخوان پر جمع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برکت کی دعا کی، اور فرمایا:

"خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ"

سب اپنے اپنے توشہ دان کو مکمل بھر لو، سب نے توشہ دان کو بھرا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اب تم لوگ کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا، حتیٰ کہ بہت سارا کھانا اب بھی باقی رہا۔

اکابر کے احکامات کی مخالفت سے احتراز

دورانِ سفر پانی کی قلت وسخت گرمی کے باعث پیاس سے بُرا حال تھا، اثناءِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل ہم مقامِ تبوک عین زوال کے وقت پہنچیں گے، لیکن یاد رکھنا کہ مجھ سے سبقت کرکے چشمہ سے کوئی شخص پانی استعمال نہ کرے، صحابہؓ نے آپ کی بات پر لبیک کہا، لیکن چند منافقین نے سبقت کرکے پانی استعمال کیا، جس سے پانی میں گدلاپن آنے لگا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے ہاتھ منہ دھو کر دوبارہ اسی میں انڈیل دیا، اللہ کی شان اس میں معجزاتی طور پر خوب پانی بھر آیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی)

جاری ہے-----

انمول انقلاب

عمار حسین



وہ گھڑسواروں کا پورا دستہ تھا۔ دوڑنے کے بجائے وہ ہلکی چال چل رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی شکار کی تلاش میں ہیں۔ آپس میں افسوس کا اظہار بھی کر رہے تھے کہ آج ان کے ہاتھ کوئی شکار نہیں آیا۔ اچانک ان کے ایک ساتھی نے گھوڑے کی باگ کھینچی اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

”رک کیوں گئے؟“ ساتھیوں نے پوچھا۔

”وہ دیکھو شکار!“

سب نے ادھر دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی خیمہ بستی تھی۔ ایک خیمہ کے باہر ایک چھوٹا بچہ جس کی عمر آٹھ نو سال ہو گی کھڑا تھا۔

ایک کہنے لگا، بھائیو یہ بھی خوب رہی، ڈاکے سے تو تم ناکام آئے ہو اور اب اس بچے پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟

”تمہارے سر کی قسم یہ بڑا اچھا شکار ہے۔ ایک دو برس کے بعد بڑی اچھی قیمت دے گا۔“ توجہ دلانے والا غراتے ہوئے بے رحم لہجے میں بولا۔

”یہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ یہ شکار بڑے کام کا ہے۔ اس کے کسی وارث کے آنے سے پہلے ہی اس کو اچک لیتے ہیں۔“ کہنے والے نے کہا اور پھر اس نے ساتھیوں کو جھاڑیوں کی اوٹ میں ہونے کے لیے کہا۔ خود وہ اکیلا ہی خیمے کی طرف گھوڑا بڑھانے لگا۔

اس نے بڑی احتیاط سے گھوڑے کو خیمے کے پاس کھڑا کیا۔ نیچے اترا اور کسی چیل کی طرح بچے پر جھپٹا اور اسے ایک ہی ہاتھ سے اٹھالیا۔ بچے کو گھوڑے کی زین پر پٹخ کر ایک ہاتھ اس کے

اوپر رکھا تاکہ وہ گرنے نہ پائے اور پھر کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر خود بھی بڑی مہارت سے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا گھوڑا بھاگنے لگا۔ اس کے ساتھی خوشی سے نعرے لگاتے اس کے پیچھے ہولیے۔

معصوم بچے کی چیخ پکار گھوڑے کے ٹاپوں اور غارت گروں کے قہقہوں اور نعروں میں دب گئی۔ خیمے کے اندر بچے کی ماں اور اس کی نانی باتوں میں مصروف تھیں۔ ماں کو پتا ہی نہ چلا کہ بچہ کب کھیلنے کے لیے باہر نکلا۔ وہ تو گھوڑوں کے بھاگنے کی آوازیں سن کر سہم گئی تھی مگر اسے جب تک بچے کا خیال آیا اس وقت تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ روتی پیٹتی باہر نکلی تو دیکھنے والے چند ایک لوگوں نے بتایا کہ گزرنے والے تو ڈاکو تھے اور وہ بچے کو اٹھا کر چلتے بنے ہیں۔

ماں پر تو غشی کے دورے پر دورے پڑنے لگے۔ اغوا ہونے والا بچہ اس کا اکلوتا تھا اور وہ اپنے باپ کا تو بہت ہی پیارا تھا۔ باپ کو بچے کے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ وہ تو بڑی ضد کر کے اپنی والدہ کی بستی میں آئی تھی تاکہ اپنے گھر والوں سے مل لے لیکن اسے کیا خبر تھی کہ یہاں یہ المناک حادثہ ہو جائے گا۔ بے چاری سوچنے لگی کہ معلوم نہیں کہ اب بیٹے کا باپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ بے چاری کے آنسو تھے کہ رکنے ہی کو نہیں آرہے تھے۔

آخر باپ شرجیل کو خبر ہوئی اور وہ تو اپنے سر میں خاک ڈالنے لگا۔ اس کے غم کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا تھا۔ مرد ہو کر وہ بیٹے کی جدائی پر پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ شرجیل کو اچھی طرح علم تھا کہ یہ ڈاکو اس کے لختِ جگر کو کہیں دور دراز کے علاقے میں بیچ دیں گے اور یوں لاڈ پیار سے پلنے والا ساری زندگی نہ جانے کس حال میں رہے گا۔

باپ نے چاروں طرف گھڑ سوار دوڑا دیئے۔ قریب کے تمام علاقوں میں پیغام بھجوائے، منادی کروائی، ماں نے بھی بڑی منتیں مانیں کہ بیٹا مل جائے۔ پورا خاندان اس کام میں جت گیا۔

ڈاکو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ انہوں نے کسی اونچے خاندان کا چشم و چراغ اڑایا ہے۔ اس لیے انہوں نے بچے کو باہر ہی نہ نکالا۔

بچے کی تلاش میں کئی برس گزر گئے بچہ نہ مل سکا۔ مگر شرجیل نے بھی ہار نہ مانی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ بیٹا ضرور ملے گا۔

شرجیل ایک دن اپنے گھر میں بیٹے کی یاد میں غمگین بیٹھا تھا کہ اس کے رشتہ داروں میں کچھ لوگ اسے ملنے آئے۔ یہ لوگ اس سال حج کر کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا، شرجیل خوش ہو جاؤ ہم تمہارے بیٹے سے مل کر آئے ہیں؟

"کہاں ہے، ہائے میرے دل کا ٹکڑا؟ مجھے پوری بات سناؤ!" شرجیل اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''اے ہمارے چچا کے بیٹے! ہم اس سال حج کرنے گئے تھے۔ وہاں ہم نے ایک تیرہ چودہ برس کے لڑکے کو دیکھا۔ ہمیں تو وہ تمہارا کھویا ہوا لعل ہی لگا۔'' رشتہ داروں نے بتایا۔

ہم نے اس سے پوچھا کہ اے شریف باپ کے بیٹے تم کس قبیلے سے ہو؟

اس نے بتایا کہ بنی کلب سے۔ ہم نے پوچھا کہ تم یہاں اکیلے کیوں ہو؟ اس نے بتایا کہ کچھ برس قبل مجھے ڈاکوؤں نے اٹھالیا تھا۔ پھر مجھے مکہ میں رہنے والے ایک قبیلے کے ہاں بیچ دیا اور اب میں ایک شریف اور اونچے خاندان کا غلام ہوں۔

''کیا تم نے اسے اس کے باپ کی حالت نہ بتائی؟ یہ نہ کہا کہ آنسو بہا بہا کر میری آنکھوں کا پانی خشک ہوگیا ہے؟''

''کیوں نہیں عزیز چچا کے بیٹے! ہم نے تمہارا سارا حال اس کو بیان کیا اور اس نے کہا کہ میرے والد کو تسلی دینا اور کہنا کہ حوصلہ رکھے، غم نہ کرے میں یہاں پر بہت آرام اور سکون سے ہوں''

''ہائے میری قسمت! وہ بے چارہ کس حال میں ہوگا۔ میرا دل بہلانے کو کہہ دیا ہوگا کہ اچھا ہوں۔ ارے دوستو! کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ میرا ہی بیٹا تھا؟''

''ہاں! ہاں! اس معاملے میں تو ہمیں ذرا بھی شک نہیں۔ اس نے اپنا اور تمہارا نام بالکل ٹھیک ٹھیک بتایا تھا۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ اسے خیمے کے باہر سے ڈاکوؤں نے اٹھایا تھا''

شرجیل اپنے بھائی کعب سے کہنے لگا۔

''اے میرے بھائی! چلو ابھی اور اسی وقت چلو مجھے تو بیٹے کو دیکھے بغیر ایک پل چین نہیں۔ ہم مکہ کی طرف چلتے ہیں؟''

چنانچہ ایک چھوٹا سا قافلہ اس وقت مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ منزلوں پر منزلیں مارتے یہ لوگ مکہ پہنچ گئے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ بیٹے کو عکاظ نامی میلے میں فروخت کیا گیا تھا اور ان کے خریدار کا نام ''حکیم'' تھا۔

حکیم ایک معزز قبیلے کا شریف آدمی تھا۔ وہ اس کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس نے شرجیل کے بیٹے کو خریدا ضرور تھا لیکن پھر اسے اپنی ہمشیرہ کو تحفے میں دے دیا تھا۔ شرجیل کو دراصل اس خاتون کے قبیلے بنی معد کا بتایا گیا تھا۔ اب وہ حکیم کی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ جس گھر کی طرف جارہے ہیں دو بڑے معزز لوگوں کا گھر ہے۔

بتائے گئے پتے پر پہنچے تو ان کی ملاقات ایک نہایت پر وقار شخص سے ہوئی۔ شرجیل تو اپنے بیٹے کے آقا کو دیکھتے ہی مطمئن ہوگیا کہ اس شخص کا چہرہ بتاتا ہے کہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اس نے میزبان سے اپنے آنے کا مطلب بیان کیا اور کہا۔

''اے معزز سردار! آپ کا خاندان اللہ کے گھر کا نگہبان ہے۔ آپ مصیبت زدوں کی مدد کرنے اور قیدیوں کو کھانا کھلانے میں شہرت رکھتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ میرا بیٹا آپ کی غلامی میں ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ جس قدر روپیہ پیسہ چاہیں لے لیں مگر میرے بیٹے کو آزاد کر دیں۔ میری آنکھیں اس کا پیارا چہرہ دیکھنے کو ترس رہی ہیں''

''معزز مہمان! آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟'' میزبان نے انتہائی میٹھے لہجے میں پوچھا۔

''میں حارثہ کے بیٹے زید کی بات کر رہا ہوں''

''اچھا!'' میزبان نے کہا اور کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ شرجیل نے میزبان کے چہرے پر تردد دیکھ لیا تھا۔ وہ منزل کے اس قدر قریب آ کر ایک عجیب کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ پھر اس کے کانوں میں آواز آئی۔

''کیا اس کے علاوہ آپ کے یہاں آنے کا کوئی مقصد نہیں؟''

''نہیں مہربان سردار! ہم تو بیٹے کو منہ مانگی قیمت پر لینے آئے ہیں''

''تو پھر سنئے زید کو بلوا لیتے ہیں۔ اگر وہ آپ کو پہچان لے اور آپ کے ساتھ جانے کو راضی ہو جائے تو اسے لے جائیے۔ میں اس کے عوض ایک پائی بھی نہ لوں گا۔ لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہو تو پھر مجھے پسند نہیں ہو گا کہ آپ اس پر زبردستی کریں''

اس موقع پر شرجیل اور اس کا بھائی کعب ایک ساتھ بولے۔

''شریف زادے! اس سے بڑھ کر اور اچھی بات کیا ہو سکتی ہے، آپ نے تو عین حق اور انصاف کی بات کی ہے''

زید کو بلایا گیا اور پوچھا گیا: کیا آپ ان بزرگوں کو پہچانتے ہیں؟

''کیوں نہیں میرے آقا! یہ میرے پیارے والد ہیں اور یہ چچا ہیں''

''زید! تم مجھے بھی پہچانتے ہو۔ میرا خاندان بھی تمہیں معلوم ہے۔ میں نے تم سے جو معاملہ رکھا ہے اس سے بھی تم بخوبی واقف ہو۔

فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تم پر کوئی زبردستی نہیں۔ تم چاہو تو خوشی کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ جا سکتے ہو۔ چاہو تو یہاں بھی ٹھہر سکتے ہو۔ تم پر کوئی زور نہیں''

زید کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی۔ وہ بولے:

''آپ محمد ﷺ ہیں۔ اللہ کے سچے آخری رسول ہیں۔ میرے لیے آپ سے بڑھ کر کون اہم ہو سکتا ہے۔ خدا کی قسم! آپ ہی میرے ماں باپ ہیں اور میں ہرگز آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

حضرت زید کی بات میں ایک جذبہ تھا محبت کا ایک سمندر تھا۔ باپ اور چچا نے حیرت سے بیٹے

کی طرف دیکھا۔

باپ جو نہ جانے کب سے بیٹے کی محبت کا چراغ سینے میں جلائے اسے وادی وادی تلاش کرتا پھر رہا تھا، حیرت اور دکھ سے بیٹے کی طرف دیکھنے لگا اور پھر بول پڑا۔

''اے زید! تم پر افسوس! تم آزادی پر غلامی کو ترجیح دے رہے ہو؟ خدا کی قسم! تمہاری تلاش میں کون سا ایسا پتھر ہوگا جو میں نے نہ الٹا ہوگا اور اب تم کیا کہہ رہے ہو؟''

حضرت زید بولے۔

''اے والد محترم! آپ درست فرماتے ہیں لیکن میں نے ان کی ذات میں جو کچھ دیکھا ہے ان کو جس طرح کا خوب پایا ہے۔ اس کے بعد یہ میرے بس سے باہر ہے کہ میں انہیں چھوڑ دوں۔''

حضرت زید کا فیصلہ بڑا اٹل تھا۔

باپ اور چچا حیرت سے بیٹے کا فیصلہ سن رہے تھے کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے زید کا بازو پکڑا اور اس کے چچا اور والد کو اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ کعبہ میں پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث۔''

آپ ﷺ کے اس اعلان سے حضرت زید کے والد اور چچا کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ سوچنے لگے کہ مجھے تو بیٹے کی عزت اور ترقی سے غرض ہے۔ اگر وہ یہاں خوش ہے تو میری خوشی بیٹے کی خوشی کے ساتھ ہے۔ انہوں نے بھی اس فیصلے کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

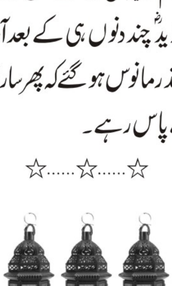
آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ وہ جب چاہیں یہاں آ کر اپنے بیٹے سے مل سکتے ہیں اور زید کو بھی نصیحت کی کہ وہ اپنے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے ان کے ہاں جایا کرے۔

یوں حضرت زید بن حارث نے اپنے حقیقی باپ کے بجائے رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا اور حضرت زید غلاموں میں سے سب سے پہلے شخص تھے جو مسلمان ہوئے۔

انہیں حضرت خدیجہؓ کے بھائی حکیم نے عکاظ کے بازار سے خریدا تھا اور تحفے میں حضرت خدیجہؓ کے حوالے کر دیا تھا اور حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لگا دیا تھا۔

حضرت زیدؓ چند دنوں ہی کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ اس قدر مانوس ہو گئے کہ پھر ساری زندگی آپ ﷺ کے پاس رہے۔

☆......☆......☆





سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ

’’پورنیا! میں تجھے ہندو ریاست کا وزیر اعظم بناؤں گی‘‘ رانی دیواجی منی نے پورنیا کو نئی پیشکش کی۔

’’میں کسی عہدے کا طلب گار نہیں ہوں مہارانی!‘‘ پورنیا بہت عیار تھا۔

’’مجھے تو ہر حال میں اپنے ہم مذہبوں کی بالادستی منظور ہے‘‘

’’اگر تو کہے تو ہندو راج کے لیے انگریزوں سے رابطہ قائم کیا جائے‘‘ رانی لکشم ما نے ایک اور تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

’’ابھی ٹیپو کی سلطنت مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں ہوئی ہے۔ یہی موقع ہے کہ ریاست پر ایک بھرپور ضرب لگائی جائے۔‘‘

پورنیا حیرت سے رانی لکشم ما کی طرف دیکھنے لگا۔

’’ماضی میں مرہٹے ہماری دعوت پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ مگر وہ حیدر علی کا زمانہ تھا۔کسی نہ کسی طرح اس نے میسور کو بچالیا۔‘‘ رانی لکشم ما نے اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

’’اب موسم بدل چکا ہے۔ ٹیپو کو زیادہ مہلت نہیں دینی چاہئے اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کو بھی شریک کار بنالینا چاہیے۔‘‘

’’مہارانی اپنے معاملات کو بہتر سمجھتی ہیں۔‘‘ پورنیا بڑی ہوشیاری سے گفتگو کر رہا تھا۔

’’میں اپنا کام انجام دے رہا ہوں۔ آپ دوسرے محاذ پر جنگ جاری رکھیں‘‘

آخر رانی لکشم ما اور رانی دیواجی منی نے ایک انتہائی شاطر شخص، ترمل راؤ کا انتخاب کر کے اسے مدراس روانہ کر دیا۔

☆......☆......☆

ٹیپو ان تمام سازشوں سے بے خبر ریاست کی

تعمیرِ نو میں مصروف تھا کہ اچانک کورگ کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔

نواب حیدر علی کے زمانے میں بھی یہاں کئی بار بغاوت ہو چکی تھی مگر والیٔ میسور نے اپنی ذہانت سے ہر مرتبہ اس فتنے کو دبا دیا تھا۔ حیدر علی کے مرتے ہی کورگ کے باشندوں نے پھر سر اٹھایا۔

ٹیپو سلطان فوری طور پر بارہ ہزار پیادے، دس ہزار سوار اور بائیس توپیں لے کر کورگ پہنچا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد باغی پسپا ہو گئے مگر انہوں نے گھنے جنگلوں میں پناہ ڈھونڈ لی۔

پھر موقع ملتے ہی وہ جنگلوں سے برآمد ہوتے اور سلطانی لشکر کو نقصان پہنچا کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتے۔ آخر ٹیپو نے پورے جنگل کو کاٹنے کا حکم جاری کر دیا۔ ٹیپو تقریباً آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ یہاں تک کہ سارے جنگلات کاٹ دیئے گئے اور باغیوں کی محفوظ پناہ گاہیں برباد کر دی گئیں۔ ہزاروں باغی مارے گئے اور آٹھ ہزار عورتوں اور مردوں کو گرفتار کر کے سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

جب مرہٹوں کو معلوم ہوا کہ انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان صلح ہو گئی ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی "معاہدہ سالی" کو ختم کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے تو وہ بدحواس ہو گئے۔

یہ معاہدہ 1768ء میں ہوا تھا، جس کی رو سے انگریز، نظام الملک، مرہٹے، نوابین اودھ وارکاٹ اور راجگان تانجور ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے تھے۔

اس معاہدے سے مرہٹوں میں بے چینی پھیل گئی۔ چنانچہ نئے پیشوائے پونا، باجی راؤ نے ٹیپو سلطان سے اس رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کر دیا جو تاوان جنگ کے سلسلے میں حیدر علی پر قرض تھی۔

ٹیپو نے پیشوائے پونا، باجی راؤ کے خط کے جواب میں صاف صاف لکھ دیا۔

"والد محترم نے چند توپوں اور بندوقوں کے سوا اور کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ہے۔ اگر کہیں تو یہ ساری چیزیں آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں۔"

پیشوا باجی راؤ کو ٹیپو کا یہ جواب پسند نہیں آیا۔ اس نے فوری طور پر نظام علی خان سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تا کہ ٹیپو سلطان سے وہ علاقے دوبارہ حاصل کر لئے جائیں جن پر حیدر علی کی زندگی میں انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ایک بار پھر اتحادی فوجوں نے سلطنت خداداد پر یلغار کر دی۔

حیدر بخشی جو قلعہ دھاڑ داڑ کا نگراں تھا، اس نے مرہٹوں اور نظام حیدر آباد سے بڑی رشوت لے کر اس قلعے کے علاوہ کچن گڑھ، نولکنڈہ، نرکنڈہ، اور بھدرا ندی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔

جب سلطان کو یہ خبر پہنچی تو وہ ایک لشکر جرار لے کر دارالحکومت سے نکلا۔ پھر بنگلور کے راستے سے ادھونی کی طرف بڑھا۔ اس وقت ادھونی کا حاکم نظام علی خان کا داماد نواب مہابت جنگ تھا۔

اس نے فوری طور پر اپنے دیوان اسد علی

خان کو سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔
”مجھے تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔“
ٹیپو نے مہابت جنگ کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”نظام علی خان نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر سلطنت کی تباہی پر کمر باندھی ہے، اس لئے میں اسے سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیا مسلمان ہے جو کافروں پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی بربادی کے منصوبے بناتا ہے۔“
اس کے بعد سلطان نے اپنے ایک معتمد محمد غیاث کو یہ پیغام دے کر نظام کے دربار میں بھیجا۔
”میں ٹیپو سلطان، مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور مذہب اسلام پر اپنا جان و مال نثار کردینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کارِ عظیم میں میرا ہاتھ بٹائیے!
والد محترم نے بارہا مرہٹوں کو ہندوستان کی سالمیت کا واسطہ دے کر سمجھانا چاہا مگر وہ فطرتاً حریص اور اسلام دشمن ہیں۔ آپ بھی ان کے عہد و پیمان پر اعتبار نہ کیجئے۔ انہیں جب بھی موقع ملے گا، وہ میرے اور آپ کے خلاف حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم دونوں مل کر اسلام کے ان بدترین دشمنوں کا قلع قمع کر دیں۔ اس کے بعد آپ کو جو علاقے پسند ہوں، اپنی تحویل میں لے لیجئے۔ میں اسلامی سلطنت کے فروغ کے سوا کچھ اور نہیں چاہتا۔ ابھی وقت ہے، سنبھل جائیے! ورنہ قدرت بار بار مہلت نہیں دیتی۔“
ٹیپو سلطان کا خط اس قدر اثر انگیز تھا کہ نظام علی خان جیسا خود غرض انسان بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا۔
جب وزیروں نے دیکھا کہ نظام ڈگمگا رہا ہے تو وہ ایک بار پھر سازشوں کے تمام تر ہتھیاروں کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر حملہ آور ہوئے۔
”حضور! ایک نائب کا بچہ آپ کا معاون ثابت ہوگا؟ معاذ اللہ!“ میر صادق کا بھائی، میر عالم بڑے خوفناک لہجے میں بول رہا تھا۔
”بخدا! یہ آپ کی بلند اقبالی کی تحقیر ہے۔ وہ چاروں طرف سے گھر گیا ہے، اس لئے مذہب کا سہارا لے کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا ہے۔
اگر آپ نے اسے سنبھلنے کی مہلت دے دی تو وہ اس طرح مقابل کھڑا ہوگا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کے سامنے۔ حیدر علی بھی بڑا حیلہ گر تھا۔ بیٹا بھی اسی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ ٹیپو کی پرفریب باتوں میں نہ آئیے!“
نظام کے دل و دماغ میں روشنی کی جو کرن پھوٹی تھی، میر عالم کی گمراہ کن تقریر نے اسے بجھا دیا اور ٹیپو کا سفیر محمد غیاث، ناکام و نامراد واپس آگیا۔
مجبوراً ٹیپو نے پورے زور و شور سے ادھونی پر حملہ کر دیا۔ مگر جب سلطان کو معلوم ہوا کہ قلعے میں نظام علی خان کی بیٹی اور دوسری خواتین موجود ہیں تو اس نے اپنی فوج کو قلعے پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔
بعض فوجی افسر، سلطان کے اس فیصلے سے متفق نہیں تھے۔ فرانسی سپہ سالار موسیو لالی نے بڑے بے باکانہ لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"دشمن تو آپ کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں دے گا۔ پھر آپ اسے اتنی رعایت کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں نہیں چاہتا کہ اس جنگ سے معزز خواتین متاثر ہوں۔" ٹیپو نے موسیولالی کی دلیل کا تاثر لئے بغیر کہا۔

"یہ موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا سلطان!"

فرانسیسی سپہ سالار بہت زیادہ پُرجوش نظر آرہا تھا۔

"خواتین کو تو بعد میں بھی بحفاظت روانہ کیا جا سکتا ہے۔"

موسیولالی، قلعے پر حملہ کرنے کے لئے اصرار کرتا رہا مگر ٹیپو نے اپنا فیصلہ واپس نہیں لیا اور اعلان کر دیا کہ نظام الملک کی بیٹی اور قلعے میں مقیم دوسری خواتین کسی محفوظ مقام پر چلی جائیں۔

تیسرے دن نظام علی خان کی بیٹی اور تمام عورتیں قلعے سے باہر آئیں۔ ٹیپو نے انہیں خود اپنی نگرانی میں ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا۔

"جب تم نظام علی خان کے پاس پہنچو تو اسے بتانا کہ ایک فاتح نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اگر میں دوسرے حکمرانوں کی طرح ہوتا تو تم سب کو یرغمال بنا لیتا یا تہ تیغ کر ڈالتا یا پھر اپنے تصرف میں لے آتا۔ مگر مجھے تم ایسی ہی عزیز ہو، جیسی میری اپنی خواتین۔"

جب عورتوں کا یہ قافلہ رائچور کی طرف چلا گیا تو ٹیپو نے قلعہ کا محاصرہ تنگ کر دیا۔ پھر اٹھارہ دن کی مسلسل جنگ کے بعد ٹیپو کی فوج نے ادھونی کے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا جو اپنی ساخت کے اعتبار سے انتہائی مضبوط تھا اور ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔

نظام علی خان کا داماد نواب مہابت جنگ سمجھتا تھا کہ شکست کے بعد ٹیپو اس سے نہایت تحقیر آمیز سلوک کرے گا۔ مگر ٹیپو خلاف توقع بہت عزت و احترام سے پیش آیا۔ نواب مہابت جنگ کو ادھونی سے اس طرح رخصت کیا جیسے وہ قلعہ سے نکل کر کسی سفر پر جا رہا ہو۔

"نظام سے بس اتنا کہہ دینا کہ اس کے لئے میرے دل کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ کاش! ہماری یہ طاقت، اسلام دشمنوں کے خلاف استعمال ہوتی۔"

قلعہ ادھونی کی تسخیر سے فارغ ہو کر ٹیپو، مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے سب سے پہلے کنچن گڑھ پر حملہ کیا۔ یہاں کی رانی فرار ہوگئی اور اس کے بیٹے نے گرفتار ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

☆......☆......☆

کنچن گڑھ کے بعد افواج سلطانی سان روفر کی طرف بڑھیں۔ یہاں کے حاکم نے کسی تاخیر کے بغیر سر اطاعت خم کر لیا اور سلطان کی خدمت میں قیمتی نذریں پیش کر کے اپنی جان بچائی۔

سان روفر سے نجات حاصل کر کے سلطان کمبلی کی طرف بڑھا۔ یہاں ایک گھمسان کی جنگ ہوئی اور کمبلی کے علاقے پر ٹیپو کا قبضہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

پھر جب اس مہم سے فارغ ہو کر سلطان قلعہ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھا تو سخت بارشوں کی وجہ سے دریاء تنگ بھدرا میں

طغیانی آئی ہوئی تھی۔

مجبوراً سلطان کو اپنے لشکر کے ساتھ دریا کے کنارے خیمہ زن ہونا پڑا۔ ٹیپو نے کئی دن تک دریا کے اتر جانے کا انتظار کیا۔ مگر جب طغیانی میں کوئی کمی نہیں آئی تو ایک روز سلطان نے نماز فجر ادا کی اور ایک گھنٹے تک قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہا۔ یہی اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ میدانِ جنگ میں کبھی کوئی نماز ترک نہیں کی۔ اگر لڑائی کی شدت کے سبب موقع نہ مل سکا تو پھر اس نے قضا نماز ادا کی اور رات کے وقت خیمے کی روشنی میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہا۔

کتاب الٰہی کا ایک چھوٹا نسخہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ تلاوت کے بعد ٹیپو نے دریا کی طرف دیکھا۔ طغیانی کا وہی عالم تھا۔ سرکش موجوں نے دریا کے کنارے کھڑے ہوئے تناور درختوں کو اُکھاڑ پھینکا تھا اور اب وہ انہیں حقیر تنکوں کی طرح بہائے لیئے جارہی تھیں۔

موسم کا یہ حال دیکھ کر بعض فوجی افسروں نے کہا۔

''حضور! دریا کے تیور بہت خراب نظر آرہے ہیں۔ یہ طغیانی تو بہت طویل ہوگی، آخر ہم کب تک انتظار کریں گے؟'' مبہم اشاروں میں ٹیپو کے فوجی افسروں کا یہی مشورہ تھا کہ قلعہ دھاڑ واڑ کی مہم کو فی الوقت ملتوی کر دیا جائے۔ اپنے فوجی مشیروں کی بات سن کر ٹیپو مسکرانے لگا۔

''ایسا لگتا ہے کہ دریا بھی دشمن کے ہراول دستے کا کام دے رہا ہے اور ہمارا راستہ روکے کھڑا ہے۔''

''تو پھر کچھ دن کے لئے اپنی یہ مہم ملتوی فرما دیجئے۔'' آخر ایک فوجی افسر نے دل کی بات کہہ دی۔

''اس طرح کیسے چلے جائیں؟'' سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔

''دشمن ہماری واپسی کو فرار سے تعبیر کرے گا۔''

''پھر؟'' تمام فوجی افسروں کے چہرے ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئے تھے۔

سلطان کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر بڑے عجیب انداز میں اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ دریا کے وسط میں اکیس گولے مارے جائیں۔ پھر قدرت کی طرف سے جو کچھ ظاہر ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔''

تمام سپاہی اور افسران، ٹیپو کا یہ حکم سن کر حیرت زدہ تھے۔ آخر توپ کے اکیس گولے پانی میں داغ دیے گئے خدا کی شان کہ گولے پھٹتے ہی پانی کم ہونے لگا اور یہاں تک ہوگیا کہ سلطان کے تمام سوار اور پیدل سپاہی آسانی کے ساتھ دریا پار کر گئے۔

دریا پار کرتے ہی سلطان نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر یہ لشکر مختلف سمتوں سے دشمن کی طرف بڑھے۔ شدید برسات کے موسم کی وجہ سے مرہٹے خواب غفلت میں آئے ہوئے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس قدر ناساز گار موسم کے باوجود ٹیپو مار دھاڑ میں داخل ہو جائے گا۔

☆......☆......☆



سلوک

خنساء محمد جاوید

"سلمیٰ! ادھر سے رہ گیا ہے.. صحیح طریقے سے تم جھاڑو لگاؤ... پتا نہیں کیسے صفائی کرتی ہو تم کچرا پیچھے پیچھے ہوتا ہیں جبکہ تم جھاڑو آگے آگے لگاتی ہو" تانیہ نے زرا بلند آواز میں جھاڑو لگاتی سلمی کو ٹوکا تو وہ ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"باجی! میں تو صحیح کام کرتی ہوں۔ آپ ہی ہیں جو بلا وجہ روک ٹوک کرتی ہیں، میں جھاڑو نکال لیتی ہوں جبکہ تبھی آپ اپنے کچھ چپس وغیرہ کھا کر اس کا چورا زمین پر گرا دیتی ہیں۔" سلمی کا جواب سن کر تانیہ غصہ سے آگ بگولا ہوگئی۔

"تمہاری تو ہمشیہ میرے کھانے پر نظر رہتی ہیں.. امی کو کہا بھی تھا لیکن نہیں انہیں تو شوق ہے تم جیسوں کو سر پر چڑھانے کا... کام خود ٹھیک سے نہیں کرتی شکایتیں ہماری لگاتی ہو"

تانیہ کی بات کا جواب دیے بغیر سلمی اپنے کام کی طرف دوبارہ متوجہ ہوگئی۔ جانتی جو تھی کہ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

سلمیٰ ایک غریب والدین کی بیٹی تھیں، جو گاؤں سے شہر اپنے باپ کے علاج کے لئے آئی تھیں۔ اس کا باپ اکثر بیمار بستر میں پڑا رہتا جبکہ وہ اور اس کی بوڑھی ماں گھر گھر جا کر کام کیا کرتیں اور محنت کی وصولی سے اپنا گھر کا خرچہ چلایا کرتیں۔

سلمیٰ تانیہ کو ایک آنکھ نا بھاتی خاص کر جب امی سلمیٰ کو اس کی چیزیں وغیرہ دیتی یا کھانے کو کچھ اچھا دیں دیتی تو وہ برا سا منہ بنا لیتی۔ تانیہ کی والدہ اسے ہمیشہ سمجھایا کرتی کہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملازموں کا خیال رکھیں لیکن وہ ایک کان سے سنتی دوسرے کان سے نکال دیتی۔

"آپی! آپی!! وہ آگئے۔"

" کون آگئے؟؟" تانیہ ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

" ارے سمجھا کرو آپی!! وہ آگئے جس کا صبح سے انتظار کیا جا رہا تھا" زلفشا نے پہیلی کا انداز اپنایا تو تانیہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"افوہ!! آپی! خالہ جانی آگئیں ہیں"

"کیا خالہ جان کی فیملی آگئیں.."

"جی!!" یہ سنتے تانیہ خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے کرسی چھوڑے، نیچے نانا والے حصہ میں بھاگتی دوڑتی چلی گئیں جبکہ سلمیٰ اپنی آنکھوں کے

پپوٹے صاف کرتی دوبارہ سے جھاڑو لگانے لگی۔

☆......☆......☆

عمر صاحب کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی.. دونوں بیٹے اسماعیل و جمال دو اسٹوریج گھر میں اپنے اپنے پورشن میں رہتے تھے اور عمر صاحب کا کپڑوں کا کاروبار سنبھالتے۔ جبکہ عمر صاحب نیچے والے حصے میں رہتے تھے.. ان کی ایک بیٹی یاسمین جو حیدرآباد میں رہائش پزیر تھی اس بار سردیوں کی چھٹیاں اپنے ابا کے گھر بتانے آئیں تھی ان کی ایک ہی بیٹی کلثوم تھی جو تانیہ کی ہم عمر کے ساتھ ساتھ بہترین دوستیں بھی تھیں۔

"خالہ جان !!" تانیہ یاسمین کو دیکھ کر ان کے گلے سے جا لگی جبکہ کلثوم بھی اس کی طرف آ کر خوش اسلوبی سے ملی۔

"اتنے دن ہو گئے خالہ جان اب دو مہینے تو روک کر ہی واپس جائیے گا۔" تانیہ نے اچھلتے ہوئے کہا تو عمر صاحب کے ساتھ کمرے بیٹھے تمام نفوس بھی مسکرا دیے۔

جبکہ تانیہ کلثوم کو لے کر اوپر والے حصہ کی طرف چلی گئیں۔

"اور کیا ہو رہا ہے زندگی میں میری جگری دوست؟" اس نے اسے گلے لگاتے کہا تو وہ بولی۔

"کچھ خاص نہیں.. ابھی چھٹیاں چل رہی ہیں اسکول کی لیکن ہاں میں نے ایک کورس جوائن کیا ہے.." کلثوم نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا تو تانیہ استفساریہ لہجے میں بولی۔

"کونسا کورس؟؟"

"تجوید و احادیث کورس.. تم تو جانتی ہوں میری قرآن پاک کے تجوید بہت کمزور تھی، زویا باجی نے مجھے ترغیب دی کیوں نا میں اس بار آن لائن تجوید و احادیث کورس کر لو وقت بھی قیمتی چیزوں میں گزریں گا اور اسلام کے متعلق کچھ سیکھنے کو بھی ملے گا" کلثوم نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بتایا تو تانیہ فقط سر ہلاتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

"تمہیں پتا ہے مری کا موسم سردی کے وقت کتنا خوبصورت ہو جاتا ہے۔ ہر طرف برف باری پرتی ہیں اور ساتھ میں برف کے پہاڑ و لکڑی کے بنے چھوٹے چھوٹے گھر کتنا پر کشش نظارہ ہوتا ہیں"

"جی جی پتا ہیں !! ایک دفعہ ابو لے کر گئے تھے.. بہت ہی دلکش نظارہ ہوتا ہے، ایسا لگتا ہیں ڈی فریزر میں آگئے ہو" کلثوم نے استہزاء آمیز لہجے میں کہا تو تانیہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"تانیہ !!" اتنے میں امی کی آواز آئی۔

"جی امی !!"

"بیٹا !! فرنیچر میں بہت گرد جمع ہو گئی ہے.. ذرا ڈسٹنگ تو کر دو!" امی نے کچن میں کھڑے کھڑے اسے مخاطب کرتے کہا تو وہ منہ بناتے بولی۔

"امی !! ابھی مجھے بہت کام ہیں.. ایک کام کریں سلمیٰ سے کروا لیں !"

پاس کھڑی سلمیٰ جو استری کر رہی تھی ایک پل کے لئے اس کا ہاتھ رکا اور وہ تانیہ کو گھور کر دیکھنے لگی۔

"تانیہ بری بات ! ممانی جان نے تمہیں کہا ہے اور تم سلمیٰ پر ڈال رہی ہو" کلثوم نے اسے

ٹوکتے ہوئے کہا۔

"یار ابھی دل نہیں کر رہا.. سلمیٰ کرلے گی نا اور ویسے بھی مفت میں تھوڑی کرواتے ہیں.. پیسے دیتے ہیں ہم اسے کام کے.."

"تانیہ! پھر بھی ممانی نے تمہیں کہا ہے" کلثوم نے ایک نظر سلمیٰ کو دیکھتے کہا جو اپنی آنکھیں مسل رہی تھی۔

سلمیٰ بغیر ان دونوں کو دیکھے کمرے سے چلی گئی تو کلثوم اسے سمجھاتے بولی۔

"یہ کیسے سلوک ہے تمہارا تانیہ سلمیٰ کے ساتھ جب سے یہاں آئی ہوں تم اس سے بہت بری طریقہ سے پیش آتی ہو..اپنا ہر کام اس کے ذمہ لگا دیتی ہو۔"

"تمہیں پتا ہے ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کرتے..انہیں کسی بھی طرح تکلیف پہنچانے سے گریز کرتے..."

"ہونہہ!! میں نے صرف اسے ایک کام کیا کہہ دیا ہیں کلثوم تمہاری تو نصیحتیں شروع ہوگئی.."

تانیہ غصہ سے کہہ کر وہاں سے پیر پٹک کر چلے گئی جبکہ کلثوم تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

سردی کا موسم بہت خوشگوار ہوگیا تھا ہر جگہ سردی کے مشروبات و گرم گرم کپڑے نظر آتے۔

تانیہ اور کلثوم بھی شاپنگ کے لئے بڑے بازار آئیں تو انہیں طرح طرح کی چیزیں دیکھنے کو ملی۔ دونوں خوشی سے نہال ہو کر ہر ایک چیز کو غور سے دیکھتی گئیں۔ جبکہ چاچا ممانی والے دوسرے طرف چیزیں دیکھنے میں مشغول تھے۔ بازار سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں نے گرم گرم مشروبات بھی خریدیں جس میں قہوا، الائچی کی چائے، گرم گرم میٹھا دودھ، چکن سوپ وغیرہ شامل تھے۔ غرضکہ پورا دن انہوں نے نئی نئی جگہیں گھومنے میں لگا دیا۔

☆......☆......☆

سردی کی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں کلثوم کو جانے میں ابھی دو چار دن باقی تھے۔ دوپہر کا گہرا وقت تھا.. کلثوم اپنی آن لائن کلاسز لے رہی تھی جبکہ سلمیٰ ٹیبل کی ڈسٹنگ کرتے وقت گاہے بگاہے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ماشاءاللہ! بہت بہتری آئی ہے.."

"جزاک اللہ خیرا کثیرا باجی!!"

کلثوم نے لیپ ٹاپ کی اسکرین میں جھانکتے ہوئے کہا اور اسی طرح دو چار باتیں کرتی وہ لیپ ٹاپ بند کر چکی تھیں۔

کلثوم نے قرآن پاک کو چوم کر آنکھوں سے لگا کر سائیڈ میں بنے قرآن کی پیٹی میں رکھ دیا اور واپس صوفے میں آکر بیٹھی۔

"سلمیٰ! تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟"

"نہیں باجی!!" سلمیٰ نے اسے ایک نظر دیکھتے جواب دیا۔

"شوق ہے؟؟"

"بہت ہے باجی!! پر ابا کے پاس پیسے نہیں ہیں.. ہم گاؤں سے آئے ہیں شہر پیسے کمانے۔ ویسے ایک بات کہوں، باجی؟" سلمیٰ کچھ

توقف کے بعد بولی۔
"جی جی!! کہو.."
"آپ کی آواز بہت اچھی ہے.."
"اچھا!! تمہیں کیسے پتا؟؟" کلثوم نے حیرات انگریز لہجے میں پوچھا تو وہ فوراً بولی۔
"وہ ابھی پڑھی رہی تھی نا قرآن آپ..تب میں نے سنی.."
"ہممم !! تم اتنی غور سے سن رہی تھی مجھے.." کلثوم نے پوچھا۔ ابھی سلمیٰ کوئی جواب دیتی تانیہ غصہ سے بھری پڑی کمرے میں داخل ہوتے سلمیٰ کی طرف آئی اور اسے غصہ کرنے لگی۔
"یہ کیا کیا تم نے.. یہ دیکھو تم نے میری پسندیدہ قمیض خراب کر دی.. کوئی کام تم ڈھنگ سے کر سکتی ہو؟"
"باجی!!! سچ میں میں نے صحیح سے صاف کیا تھا.. داغ کو بھی رگڑا تھا لیکن داغ نکل ہی نہیں رہا تھا.." سلمیٰ نے روہانسی آواز میں کہا کیونکہ جتنی تیزی سے تانیہ اس پر چیخی تھی وہ گھبرا گئی تھی۔
"چپ کرو!! جھوٹی کہیں کی!!"
"تانیہ بس بھی کرو اب.. وہ کہہ رہی ہیں نا داغ نہیں نکل رہا تھا.. اتنا چیخ چلا کیوں رہی ہو؟" کلثوم نے بیچ میں بولتے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی تو وہ مزید غصے سے بولی۔
"تم نہیں سمجھتی کلثوم! اس کو، میں اچھے سے جانتی ہوں یہ سب کچھ یہ جان کر کرتی ہے تاکہ یہ مجھ سے بدلہ لے سکے۔" یہ سن کر سلمیٰ روتی ہوئی نفی میں سر ہلا گئی جبکہ کلثوم نے اشارۃً سلمیٰ کو جانے کا کہا۔
"تانیہ غصہ ٹھنڈا کرلو! چلو آؤ ادھر بیٹھو!" سلمیٰ کے جاتے وہ اسے صوفے میں بٹھا کر پانی پلانے لگی۔
کچھ دیر میں جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ بولی۔
"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟"
"کچھ نہیں یار! اس نے میری نئی قمیض خراب کر دی.. بابا نے اسی مہینے لا کر دی تھی۔"
"ٹھیک!! چلو مانتے ہیں اس نے غلط کیا لیکن بات کرنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے یار تمہاری وجہ سے وہ روتے ہوئے گئی ہیں.. سوچو اللہ تعالیٰ ہم سے کتنا ناراض ہونگے؟"
"لیکن اس نے جو کیا اس کا کیا؟"
"میں نے کہا بات کرنے کا طریقہ ہوتا ہے.. طریقے سے بات کرتی اسے سمجھاتی تو وہ اس طرح کی حرکت دوبارہ نہیں کرتی.." کلثوم نے پیار سے تانیہ کو سمجھایا تو وہ خاموشی سے بیٹھے اسے سنتی رہی۔
"تمہیں پتا ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوکروں و باندیوں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے.. ان سے کبھی غصہ میں بات نہیں کرتے نا ہاتھ سے مارتے بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنے ماتحتوں، غلاموں اور خادموں سے حسن سلوک کیا کرو! سلمیٰ بھی ایک مسلمان بہن ہے ہماری.. اللہ نے ہمیں اس کا ماتحت بنایا ہے ذرا سوچو اگر تم اس کی جگہ ہوتی اور کوئی تم سے اس طرح کا سلوک کرتا، تمہیں بات بے بات غصہ کرتا طنز کرتا تو تمہیں کیسا لگتا.. ہمیں ملازموں سے اتنا کام بھی لینا نہیں چاہیے کہ وہ تھک جائیں تم سلمیٰ سے اپنا تمام

کام کرواتی ہو اور اس میں برائی نکالتی ہو۔'' کلثوم کی بات سن کر تانیہ تھوڑی بے چین ہوگئی اس نے کبھی بھی سلمیٰ کو یوں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا.. نا پہلے کبھی اتنا غصہ کیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے، بندہ مومن تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان سلامت رہے..'' یہ کہہ کر کلثوم خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی جبکہ تانیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا..

وہ تو مسلمان تھی اور سلمیٰ بھی مسلمان ہے تو اس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا وہ پیار سے بھی تو بات کر سکتی تھی ناں۔

اسے رہ رہ کر ندامت ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن سلمیٰ کام کرنے آئی تو کلثوم اسے اپنے ساتھ نیچے والے حصے میں لے گئی جہاں تانیہ اپنے ہاتھوں میں ایک چیز تھامے اسے دیکھ رہی تھی۔

''باجی! آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا.. آپ کو کوئی کام تھا؟''سلمیٰ نے تانیہ کو دیکھتے الجھن میں کہا تو وہ اسے گلے لگاتی بولی۔

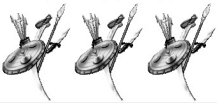
''سلمیٰ! میں نے کل جو تمہارے ساتھ سلوک کیا اس کے لئے میں شرمندہ ہوں.. وہ میری پسندیدہ قمیض تھی.. وہ خراب ہوگئی تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے تم پر اپنا غصہ نکال لیا تمہیں رولایا۔'' تانیہ کی بات حیرت سے سنتے سلمیٰ چونکی۔

''کیا تم مجھے معاف کر دو گی؟''

''نہیں باجی! آپ کی غلطی نہیں ہے میری بھی غلطی تھی میں بھی آپ کا کام اچھے سے نہیں کرتی تھی.. مجھے آپ پر بہت غصہ آتا تھا۔ آپ بات بے بات میری غلطیاں نکالتی اور مجھے سناتی تھی اس لئے میں دل لگا کر کام نہیں کرتی تھی..'' سلمیٰ نے شرمندگی سے کہا تو تانیہ مسکراتے ہوئے اس کے لئے لائے تحفہ اسے دیتے ہوئے بولی۔

'' کوئی بات نہیں.. میں نے تمہیں معاف کیا.. تم بھی کر دینا..'' جبکہ پاس کھڑی کلثوم یہ سب دیکھتے مسکرا دی۔

☆......☆......☆



کوپن برائے

''وہ کون تھا؟''

نام:..

ولدیت:..

مکمل ایڈریس:..

تعلیم :..

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



کوا اپنے کلام میں مشغول تھا۔ اچانک ان کی طرف ایک ہرن دوڑتا ہوا آیا تو اس سے کچھوا حیران اور دہشت زدہ ہوگیا تو اس نے پانی میں غوطہ لگایا اور چوہا اپنے سوراخ کی طرف نکلا اور کوا اڑ کر درخت پر جا بیٹھا پھر کوے نے اڑ کر بلندی میں حلقہ بنایا تاکہ دیکھے کہ کیا ہرن کو کوئی تلاش کر رہا ہے۔

اس نے دیکھا تو اس کو کوئی چیز نظر نہ آئی پھر اس نے چوہے اور کچھوے کو آواز دی اور وہ دونوں نکلے اور کچھوے نے ہرن کو پانی کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو، اس سے کہا۔

”اگر تجھے پیاس ہے تو پانی پی لے! اور ڈر مت! اس لئے کہ تجھ پر کوئی خوف نہیں ہے“

تو ہرن قریب ہوا تو کچھوے نے اس کو مرحبا کہا اور اس کو دعا دی اور اس سے پوچھا، تو کہاں سے آیا ہے؟

تو ہرن نے کہا، میں صحراؤں میں چر رہا تھا تو تیر مارنے والے مجھے ہمیشہ بھگاتے رہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف، حتیٰ کہ میں نے آج ایک شخص کو دیکھا تو میں نے خوف کیا کہ یہ شکاری نہ ہو۔ تو کچھوے نے کہا خوف نہ کر اس لئے کہ ہم نے یہاں کبھی کوئی شکاری نہیں دیکھا اور ہم تجھے اپنی محبت اور اپنے پاس جگہ دیتے ہیں اور ہمارے پاس پانی اور چراگاہ بہت ہیں لہذا تو ہمارے پاس رہنے میں رغبت کر تو ہرن ان کے پاس رہ گیا اور ان کا ایک چھپر تھا جس میں وہ جمع ہوتے اور باتوں اور قصوں کا مذاکرہ کرتے۔

ان اوقات میں کہ ایک دن، کوا، چوہا، کچھوا، چھپر میں تھے اور ہرن غائب تھا۔

تو انہوں نے کچھ دیر اس کی امید کی تو وہ نہ آیا جب اس نے تاخیر کی تو یہ ڈر گئے کہ اس کو کوئی مشکل پیش آ گئی ہے تو چوہے اور کچھوے نے کوے سے کہا کہ تم دیکھو کیا ہمارے قریب کوئی چیز تجھ کو نظر آتی ہے۔

کوے نے بلندی میں اڑ کر حلقہ بنایا تو اس نے دیکھا کہ اچانک ہرن جال میں شکار ہو گیا تھا۔

کوا جلدی سے نیچے اترا اور ان کو اس کی خبر دی پھر کچھوے اور کوے نے چوہے سے کہا کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں تیرے غیر سے امید نہیں کی جاتی۔ لہذا تو اپنے بھائی کی امداد کر تو چوہا تیز دوڑ کر ہرن کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو اس مشکل اور بھنور میں کیسے واقع ہوا ہے حالانکہ تو

عقل مندوں میں سے ہے۔

توہرن نے کہا تقدیر کے ساتھ عقل مندی کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ دریں اثناء یہ دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے پاس کچھوا آگیا تو اس سے ہرن نے کہا تو نے ہماری طرف آکر درست فیصلہ نہیں کیا اس لئے کہ اگر شکاری ہمارے پاس اس حال پہنچ گیا کہ چوہے نے جال کاٹ لیا ہو تو اس کا دشمن باقی رہے گا اور چوہے کیلئے بہت سوراخ ہیں اور کوا اڑ جائے گا اور تو نہ دوڑ سکتا ہے اور نہ حرکت کر سکتا ہے اور میں تجھ پر خوف کرتا ہوں تو اس نے کہا، دوستوں کی جدائی میں کوئی زندگی نہیں ہے۔

اور جب دوست اپنے دوست سے جدا ہو جاتا ہے تو اس کا دل چھین لیا جاتا ہے اور وہ خوشی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھ ڈھانپ دی جاتی ہے۔

ابھی ان کی کلام ختم ہوئی تھی کہ شکاری نے ان کو پالیا اور اس کے موافق ہوا تو چوہا رسی کاٹنے سے فارغ ہو چکا تھا تو ہرن نے اپنے آپ کو بچالیا اور کوا حلقہ بنائے ہوئے اڑ گیا اور چوہا کسی سوراخ میں داخل ہو گیا اور کچھوے کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا اور شکاری قریب ہوا تو اپنی جال کو کاٹا ہوا پایا تو اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ رینگتے ہوئے کچھوے کے سوا کسی کو نہ پایا تو اس کو پکڑ کر اس کو باندھ دیا پس کوا اور چوہا اور رہرن اس سے نہ ٹھہر سکے کہ وہ جمع ہو گئے تو شکاری نے دیکھا کہ اس نے کچھوے کو باندھ رکھا تھا تو ان کی پریشانی سخت ہو گئی اور چوہے نے کہا میں ہم لوگوں کو نہیں دیکھتا ہوں کہ ہم مصیبت کی ایک گھاٹی پار کرتے ہیں مگر اس سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں اور بیشک جس نے کہا ہے سچ کہا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے بخت میں رہتا ہے جب تک پھسلے، اور گرے نہ، جب وہ پھسل جائے تو پھر پھسلنا اس کو لازم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ سیدھی اور سخت زمین میں چلے۔

میرا خوف بہترین دوست کچھوے پر ہے جس کی دوستی بدلہ کیلئے ہے اور نہ عوض کی تلاش کے لئے ہے لیکن وہ دوستی ہے اور یہ ایسی دوستی ہے جو والد کی اپنے اولاد کے لئے دوستی سے افضل ہے۔

جس کو موت کے علاوہ کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی۔ افسوس ہے اس کیلئے جس پر آزمائش مقرر کر دی گئی ہے جو ہمیشہ الٹ پلٹ ہونے میں رہتا ہے اور کوئی چیز اس کے لئے ہمیشہ نہیں رہتی اور کوئی معاملہ اس کے ساتھ نہیں ٹھہرتا جیسے طلوع ہونے والے ستارہ کیلئے طلوع ہونا اور غروب ہونے والے کیلئے غروب ہونا ہمیشہ نہیں رہتا ہے لیکن ان میں سے طلوع ہونے والا غروب ہونے والا اور غروب ہونے والا طلوع ہونے والا ہمیشہ رہتا ہے اور جیسے زخموں کی تکالیف اور زخموں کا لوٹنا ہوتا ہے، اسی طرح وہ شخص ہے جس کے زخم پھوڑے ہو گئے ہوں دوستوں کے گم ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ جمع ہونے کے بعد۔

توہرن اور کوے نے چوہے سے کہا، بیشک ہمارا ڈرنا اور تیرا ڈرنا اور تیری گفتگو اگرچہ ان میں سے ہر ایک بلیغ ہے لیکن کچھوے کو کوئی فائدہ نہیں

دے سکتی اور بیشک جیسے کہا جاتا ہے لوگ مصیبت کے وقت اور امانت لینے اور دینے کی وقت اور اہل واولاد غریبی کے وقت آزمائے جاتے ہیں۔

اسی طرح بھائی مصائب کے وقت آزمائے جاتے ہیں تو چوہے نے کہا، اے ہرن میں یہ حیلہ دیکھتا ہوں تو شکاری کے سامنے جا کر اس طرح پڑ جا گویا کہ تو زخمی ہے اور کوا تم ایسے گرو کہ تجھے کھا رہا ہے اور میں دوڑ کر شکاری کے قریب ہو جاؤں گا اس کا انتظار کرتے ہوئے کہ شاید وہ اس آلہ کو پھینک دے جو اس کے ساتھ ہے اور کچھوے کو رکھ کر تیرا ارادہ کرے تجھ میں طمع کرتے ہوئے اور تجھے حاصل کرنے کی امید رکھتے ہوئے۔

جب وہ تیرے قریب آئے تو تو بھاگ جانا اتنا دور کہ تجھ سے اس کی لالچ ختم نہ ہو اور اس کو اپنے پکڑے جانے کی بار بار قدرت دینا حتی کہ وہ ہم سے دور ہو جائے اور میں اپنی طاقت کے مطابق اس مقصد کا ارادہ کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ واپس نہیں لوٹے گا حتی کہ میں کچھوے سے جال کاٹ چکا ہوں اور اس کے ساتھ نجات حاصل کرلوں گا تو ہرن اور کوے نے وہی کام کیا جس کا چوہے نے ان کو حکم دیا اور شکاری ان کے پیچھے گیا لہذا ہرن نے اس کو کھینچا حتی کہ اس کو دور کر دیا چوہے اور کچھوے سے اور چوہا جال کاٹنے پر متوجہ ہو گیا۔

حتی کہ اس کو کاٹ دیا اور کچھوے کے ساتھ نجات پا گیا اور شکاری بہت تھکا ہارا آیا تو جال کو کٹا ہوا پایا۔

پھر لنگڑا بننے والے ہرن کے ساتھ اپنے معاملہ میں سوچا تو اس نے سوچا کہ اس کی عقل میں خرابی ہوگئی ہے اور ہرن اور اس کے معاملہ میں غور کیا اور اپنی جان کے کاٹے جانے کے بارے میں سوچا تو اس زمین سے وحشت زدہ ہو گیا اور کہا کہ یہ جنوں یا جادوگروں کی زمین ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس لوٹا اس حال میں کہ کسی چیز کو تلاش نہیں کر رہا تھا۔

اور نہ اس کی طرف توجہ کر رہا تھا اور کوا اور ہرن اور چوہا اور کچھوا سلامتی اور امن کے ساتھ اپنے چھپر کے طرف جمع ہوئے اس اچھے حال پر جس پر وہ تھے۔

جب یہ مخلوق اپنے چھوٹے اور کمزور ہونے کے باوجود اپنی محبت اور خلوص اور دل جمعی اور اپنے بعض دوستوں کے بعض کے ساتھ نفع اٹھانے کی وجہ سے بار بار ہلاکت کی جگھوں سے چھٹکارا پانے پر قادر رہے۔

تو وہ انسان جو عقل اور فہم دیا گیا ہے اور خیر و شر کا الہام کیا گیا ہے اور نفع اور نقصان کی معرفت اور اس کی تمیز کا عطیہ دیا گیا ہے وہ آپس کے تعلق کو جوڑنے اور باہم تعاون کرنے کا زیادہ حق دار اور لائق ہے تو یہ مخلص دوستوں اور دوستی میں ان کی الفت کا حال ہے۔

☆......☆......☆



گدھے ہو کیا؟

شاہ زیب

’’ارے یار! صبح صبح کے اتنے اچھے موسم میں تم اداس کیوں ہو؟ کیا ہوا ہے جو پریشان بیٹھے ہو؟‘‘ شفیقی بندر نے باہر جاتے ہوئے پڑوسی گدھے کو دیکھ کر کہا۔

’’بس یار کیا بتاؤں؟ میں لوگوں سے تنگ آگیا ہوں، لوگ میرے ساتھ اچھا نہیں کرتے‘‘ گدھے نے وجہ بتائے بغیر شکایتی جواب دیا۔

’’میری جان! پھر بھی پتا تو چلے، آخر ہوا کیا ہے؟ جو تم سب لوگوں سے ہی ناراض ہو‘‘ شفیقی بندر نے ناراضگی کی وجہ پوچھتے ہوئے کہا۔

’’میرے دوست! لوگ ہماری برادری کو تھوڑی سی بھی عزت نہیں دیتے، سب ہمیں عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، جس کو دیکھو وہ دوسرے کی بے عزتی کرنے، اسے بیوقوف کہنے کے لئے ہمارا نام استعمال کرتا ہے۔

’’گدھا! گدھے ہو کیا؟ بالکل گدھے ہو!‘‘

جبکہ ہم اس سلوک کے حقدار نہیں ہیں کہ ہم تو سب کے کام آتے ہیں، کسی کا سامان اٹھانا ہو، پانی لانا ہو، اس کے علاوہ اور دوسرے کام ہوں ہم سب کے کام آتے ہیں‘‘ بات مکمل کرتے کرتے گدھا رونے لگ گیا۔

’’میرے پیارے دوست! تم سب اچھے ہو، اس میں کوئی شک نہیں سب کے کام آتے ہو، تمہاری اچھائیوں کا کون انکار کرسکتا ہے؟‘‘ شفیقی بندر نے گدھے کو چپ کرواتے ہوئے کہا۔

’’ہاں! صحیح کہا آپ نے! ہماری خدمات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، لیکن مانتا بھی تو کوئی نہیں ہے، بس ذلیل کرنے کے لئے بچے ہیں ہم۔



بس میں نے سوچ لیا ہے کہ یہاں کے لوگوں سے تعلق رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں آج کے بعد میں اپنے گھر میں ہی رہوں گا کسی سے بھی نہیں ملوں گا۔'' گدھے نے بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

گدھے کی باتیں سُن کر شیفی بندر کو اپنے دکھ بھی یاد آگئے،تو اس نے کہا۔

''ہمیں بھی اچھے لفظوں سے یاد نہیں کیا جاتا اس لئے ان کے اس سلوک سے تنگ آ کر تم نے بالکل صحیح سوچا ہے ، میں بھی تمہاری طرح کسی سے نہیں ملوں گا،ان سب کا بائیکاٹ کرتا ہوں۔''

کچھ دنوں تک بندر اور گدھا دونوں اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلے اور کسی سے بھی نہیں ملے جس کی وجہ سے ایک دن گدھے کا دوست ہرن گھر آپہنچا اور گیٹ بجاتے ہوئے آواز دی۔

''گدھے بھیّا! گدھے بھیّا!''

اندر سے آواز آئی: کون ہے؟

''آپ کا دوست ہرن ہوں، دروازہ کھولئے!''

''ویلکم! خیریت سے آنا ہوا؟'' گدھے نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''جی جی خیریت ہی ہے، میں آپ کی طبیعت پوچھنے آیا تھا، کچھ دنوں سے آپ محلے میں نظر نہیں آرہے۔''

گدھے نے اپنی اور بندر کے درمیان ہونے والی ساری کہانی بتائی۔

''میرے دوست! دکھی نہیں ہوتے، اپنا دل بڑا رکھتے ہیں۔'' ہرن نے ہمت دیتے ہوئے کہا۔

''میرے دوست ہرن! آپ کو تو کوئی ٹینشن نہیں، سب آپ کو پسند کرتے ہیں، جب کسی کی خوبصورتی بیان کرنی ہو تو آپ سے ملاتے ہیں اور سب آپ کو بہت عزت دیتے ہیں جبکہ ہمارے ساتھ ایسا رویّہ نہیں ہے۔''

''سب کی اپنی اپنی خوبیاں ہیں اور اپنے کام ہیں، اب دیکھو نا! ہر ایک کو آپ کی ضرورت پڑتی ہے، آپ کو رہنے کے لئے الگ اور بہترین گھر دیتے ہیں، تینوں ٹائم مزے مزے کے کھانے کھلاتے ہیں جبکہ ہمیں دیکھو! پہلے گولی یا تیر سے ہمارا شکار کرتے ہیں اور پھر ہم کو آگ پر پکا کر کھا جاتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ! ایسی تعریف کا ہم کیا کریں گے؟'' ہرن نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

گدھے کو ہرن کی بات سمجھ میں آگئی پھر یہاں سے یہ دونوں بندر کے پاس گئے اور اسے بھی سمجھا کے راضی کرلیا۔

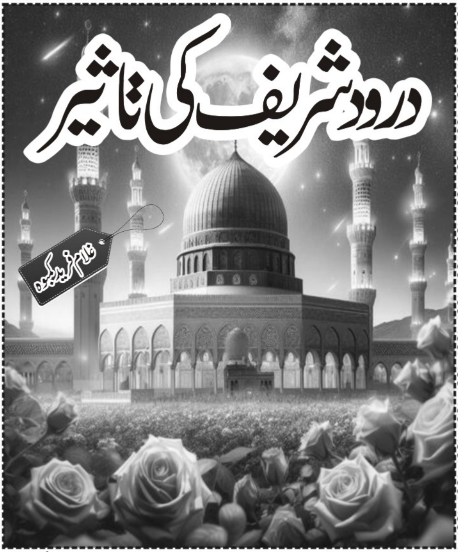
پیارے بچّو!

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہمت بڑھانے کے بجائے حوصلہ توڑ دیتے ہیں لیکن ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہئے اور ان کی اس قسم کی باتوں پر بالکل بھی توجّہ نہیں دینی چاہئے بلکہ جو اچھا کام کر رہے ہوں اس میں اور تیزی لائیں اور ترقی کے راستے پر بڑھتے چلے جائیں۔

☆......☆......☆

درود شریف کی تاثیر

غلام فرید کھوہ



ایک یہودی کسی مسلمان کا پڑوسی تھا۔ اس یہودی کے ساتھ اس کا مسلمان پڑوسی بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ اس مسلمان کی عادت تھی کہ وہ ہر تھوڑی دیر بعد یہ جملہ کہتا تھا۔

''حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعا قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔''

جو کوئی بھی اس مسلمان سے ملتا وہ مسلمان اسے اپنا یہ جملہ ضرور سناتا اور جو بھی اس کے ساتھ بیٹھتا اسے بھی کئی بار یہ جملہ مکمل یقین سے سناتا تھا کہ: ''حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعا قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔''

اس مسلمان کا یہ جملہ اس کے دل کا یقین تھا۔ اس یہودی نے ایک سازش تیار کی تاکہ اس مسلمان کو ذلیل و رسوا کیا جائے اور ''درود شریف'' کی تاثیر پر اس کے یقین کو کمزور کیا جائے۔ اور اس سے یہ جملہ کہنے کی عادت چھڑوائی جائے۔ یہودی نے ایک سنار سے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اسے تاکید کی کہ ایسی انگوٹھی بنائے کہ اس جیسی انگوٹھی پہلے کسی کے لئے نہ بنائی ہو۔ سنار نے انگوٹھی بنادی۔

وہ یہودی انگوٹھی لے کر مسلمان کے پاس آیا۔ حال احوال کے بعد مسلمان نے اپنا وہی جملہ، اپنی وہی دعوت دہرائی کہ ''حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعا قبول ہوتی ہے ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔''

یہودی نے دل میں کہا کہ اب بہت ہوگئی بہت جلد یہ جملہ تم بھول جاؤ گے۔

کچھ دیر بات چیت کے بعد یہودی نے کہا۔ میں سفر پر جا رہا ہوں۔ میری ایک قیمتی انگوٹھی ہے۔ وہ آپ کے پاس امانت رکھ کر جانا چاہتا ہوں۔ واپسی پر آپ سے لے لوں گا۔

کوئی مسئلہ نہیں آپ بے فکر ہو کر انگوٹھی میرے پاس چھوڑ جائیں۔ یہودی نے وہ انگوٹھی مسلمان کے حوالے کی اور اندازہ لگا لیا کہ مسلمان نے وہ انگوٹھی کہاں رکھی ہے۔ رات کو وہ چھپ کر اس مسلمان کے گھر کودا اور بالآخر انگوٹھی تلاش کرلی

اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اگلے دن وہ سمندر پر گیا اور ایک کشتی پر بیٹھ کر سمندر کی گہری جگہ پہنچا اور وہاں وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اس کا خیال تھا کہ جب واپس آؤں گا اور اس مسلمان سے اپنی انگوٹھی مانگوں گا تو وہ نہیں دے سکے گا۔ تب میں اس پر چوری اور خیانت کا الزام لگا کر خوب چیخوں گا اور ہر جگہ اسے بدنام کروں گا۔ وہ مسلمان جب اپنی اتنی رسوائی دیکھے گا تو اسے خیال ہو گا کہ درود شریف سے کام نہیں بنا اور یوں وہ اپنا جملہ اور اپنی دعوت چھوڑ دے گا۔ مگر اس نادان کو کیا پتا تھا کہ دُرود شریف کتنی بڑی نعمت ہے۔

یہودی کچھ دن بعد واپس آ گیا۔ سیدھا اس مسلمان کے پاس گیا اور جاتے ہی اپنی انگوٹھی طلب کی۔ مسلمان نے کہا، آپ اطمینان سے بیٹھیں آج درود شریف کی برکت سے میں صبح دعا کر کے شکار کے لئے نکلا تھا تو مجھے ایک بڑی مچھلی ہاتھ لگ گئی۔ آپ سفر سے آئے ہیں وہ مچھلی کھا کر جائیں۔ پھر اس مسلمان نے اپنی بیوی کو مچھلی صاف کرنے اور پکانے پر لگا دیا۔ اچانک اس کی بیوی زور سے چیخی اور اسے بلایا۔ وہ بھاگ کر گیا تو بیوی نے بتایا کہ مچھلی کے پیٹ سے سونے کی انگوٹھی نکلی ہے اور یہ بالکل ویسی ہے جیسی ہم نے اپنے یہودی پڑوسی کی انگوٹھی امانت رکھی تھی۔

وہ مسلمان جلدی سے اس جگہ گیا جہاں اس نے یہودی کی انگوٹھی رکھی تھی۔ انگوٹھی وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ مچھلی کے پیٹ والی انگوٹھی یہودی کے پاس لے آیا اور آتے ہی کہا:

’’حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔‘‘

پھر اس نے وہ انگوٹھی یہودی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ یہودی کی آنکھیں حیرت سے باہر، رنگ کالا، پیلا اور وہ کانپنے لگا۔ اس نے کہا، یہ انگوٹھی کہاں سے ملی؟ مسلمان نے کہا، جہاں ہم نے رکھی تھی وہاں ابھی دیکھی وہاں تو نہیں ملی۔ مگر جو مچھلی آج شکار کی اس کے پیٹ سے مل گئی ہے۔ معاملہ مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہا مگر الحمدللہ آپ کی امانت آپ کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے پریشانی سے بچا لیا۔

یہودی تھوڑی دیر کانپتا رہا پھر بلک بلک کر رونے لگا۔ مسلمان اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

یہودی نے کہا، مجھے غسل کی جگہ دے دیں۔ غسل کر کے آیا اور فوراً کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔

وہ بھی رو رہا تھا اور اس کا مسلمان دوست بھی اور مسلمان اسے کلمہ پڑھا رہا تھا اور یہودی یہ عظیم کلمہ پڑھ رہا تھا۔

جب اس کی حالت سنبھلی تو مسلمان نے اس سے ’’وجہ‘‘ پوچھی تب اس نومسلم نے سارا قصہ سنا دیا۔ مسلمان کے آنسو بہنے لگے اور وہ بے ساختہ کہنے لگا۔

’’حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعاء قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت و مراد پوری ہوتی ہے۔‘‘

☆......☆......☆



ایک چونٹا بڑا محنتی شریف تھا ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا۔ کبھی اپنے بل کی مرمت کر رہا ہے تو کبھی اناج کا دانہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔ کاہلی کو گناہ سمجھتا اور ہر کام بڑی محنت سے کرتا تھا۔ وہ وقت کی بھی بڑی قدر کرتا تھا۔ کسی کام سے باہر نکلتا تو کسی سے بے مقصد بات نہ کرتا وہ جانتا تھا کہ عقل مند زیادہ نہیں بولتے۔ راستے میں اگر کوئی جان پہچان والا چونٹا مل گیا تو دور ہی سے سلام دعا کرلی اور اپنی راہ پکڑی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ دردمند دل کا مالک بھی تھا۔ اگر راہ میں کوئی مصیبت زدہ مل جاتا تو اپنا کام چھوڑ کر اس کی مدد کرتا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی عزت کرتا اور چھوٹوں سے بھی شفقت سے پیش آتا تھا۔

اس چیونٹے کے بل کے قریب ہی گندے پانی کا ایک جوہڑ تھا۔

شریر اور گندے بچے گھنٹوں اس میلے کچیلے پانی میں نہاتے رہتے تھے۔ گندے پانی میں بہت سے جراثیم ہوتے ہیں جو ان کی کھال میں چپک کر پھوڑے پھنسی پیدا کر دیتے ہیں۔ ان بچوں کے علاوہ بہت سی بھینسیں بھی سارا دن پانی میں بیٹھی رہتی تھی۔ چیونٹا بڑا پریشان تھا۔ بھینسیں سارا دن پھرتی رہتی تھیں۔ چیونٹے کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ یا اس کا کوئی بچہ بھینسوں کے پاؤں تلے نہ کچل جائے۔ اب وہ زیادہ تر گھر میں ہی رہتا تھا۔ اگر کبھی کسی ضروری کام سے باہر جاتا بھی تھا تو اپنے بیوی بچوں کو سختی سے کہہ جاتا تھا کہ وہ باہر نہ نکلیں۔

ایک دن چیونٹا بہت تھکا ہوا تھا، اس لیے دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر لیٹ گیا۔ بے چارے کو سوئے سوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک کسی نے اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ چونک کر اٹھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی چیونٹی کھڑی ہے۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ چیونٹے نے جب اس کی طرف دیکھا تو بولی، آپ مزے سے سو رہے ہیں اور گھر میں پانی بھرا جا رہا ہے۔

’’ہیں۔۔۔۔۔۔کیا کہا؟۔۔۔۔پانی۔پانی کہاں سے آرہا ہے؟‘‘چیونٹا بولا۔

’’میں کیا جانوں کہاں سے آرہا ہے؟ آپ باہر جا کر دیکھیں اور اس پانی کو کسی طرح بند کریں، ورنہ ہمارا محنت سے جمع کیا ہوا غلہ ضائع ہو جائے گا۔‘‘چیونٹی نے کہا۔

چیونٹا فوراً باہر کی طرف بھاگا۔ باہر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بِل کے بالکل قریب جوہڑ میں ایک بھینس بیٹھی بار بار اپنی دم کو پانی مار رہی ہے۔ جس سے پانی کے چھینٹے اڑ اڑ کر چیونٹے کے بل میں داخل ہو رہے ہیں۔ چیونٹے نے یہ منظر دیکھا تو پریشان ہو گیا۔

اس طرح تو ہمارا خوراک کا ذخیرہ خراب ہو جائے گا۔ جاڑوں کے موسم میں بھوکے مر جائیں گے۔ چیونٹے نے یہ سوچا، پھر دوڑ کر بھینس کے قریب ایک پتھر پر چڑھ کر بولا:

’’بی بھینس! میری ایک بات سنو!‘‘

’’کیا ہے؟‘‘وہ اکڑ کر بولی۔

’’دیکھو بہن! میں ایک غریب اور کمزور سا چیونٹا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تم جانتی ہو ہم زیادہ گرمی برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے مناسب موسموں میں برے وقت کے لیے اپنی خوراک ذخیرہ کر لیتے ہیں۔‘‘

’’تو پھر میں کیا کروں؟‘‘

بھینس روکھے پن سے بولی۔

’’اچھی بہن! تم بار بار اپنی دم پانی میں مار رہی ہو۔ اس سے میرے گھر میں پانی داخل ہو رہا ہے اور ہماری خوراک کا ذخیرہ تباہ ہو رہا ہے۔ خدا کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ اور اپنی دم پانی پر نہ مارو! میں تمام زندگی تمھارا احسان مند رہوں گا۔‘‘

وہ بہت بداخلاق بھینس تھی۔ اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بڑے زور سے ڈکرائی اور آنکھیں نکال کر بولی۔

’’جا! جا! حقیر چیونٹے! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، جب تک چاہوں دم ہلاتی رہوں۔ تو مجھ پر حکم چلانے والا کون ہوتا ہے؟ دفع ہو جاؤ! ورنہ کچل کر رکھ دوں گی۔‘‘

چیونٹے نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ سمجھ گیا۔ اس ظالم بھینس سے مزید کچھ کہنا بے کار ہوگا۔ چنانچہ وہ سر جھکا کر لوٹ آیا۔

گھر میں بہت زیادہ پانی بھر چکا تھا۔ خوراک کا سارا ذخیرہ تباہ ہو چکا تھا اور چیونٹے کے بچے خوف سے چیخیں مار رہے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے انھیں پانی سے نکالا اور باہر لے آیا۔

پھر ایک حسرت بھری نظر اپنے گھر پر ڈالی اور کسی انجانی منزل کی طرف چل دیا۔ اب اس کے پاس نہ کھانے کو خوراک تھی اور نہ سر چھپانے کا ٹھکانا۔ وہ سخت پریشان تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ چلتے چلتے وہ ایک ٹیلے کے پیچھے جا نکلا۔

اس جگہ چیونٹے کے بہت سے دوست رہتے تھے۔ انھیں جب سارا حال معلوم ہوا تو سب نے چیونٹے سے کہا۔

’’پیارے بھائی! آپ ہمارے محسن ہیں۔

آپ نے ہر برے وقت پر ہماری مدد کی ہے۔ اب قدرت نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم ان احسانوں کا بدلہ اتار سکیں۔"

یہ کہہ کر بہت سے چیونٹے مل کر ایک مکان کی تعمیر میں لگ گئے۔ وہی کام جو چیونٹا اکیلا کئی دنوں میں مکمل کرتا، اب گھنٹے بھر میں ہو گیا تھا۔

ان سب نے چیونٹے کے لیے بڑا سا مکان بنا دیا۔ مکان کے بعد غذا کا مسئلہ حل کرنے کے لیے سب چیونٹے اپنے اپنے گھر سے تھوڑا تھوڑا اناج لے آئے وہ غلے کا ایک بڑا ڈھیر بن گیا۔

اس طرح چیونٹے کے پاس اب ایک آرام دہ گھر اور ڈھیر سا غلہ تھا۔

اس نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن چیونٹا کسی کام سے جوہڑ کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ وہی بھینس پانی سے الگ کھڑی رو رہی تھی اور بار بار اپنے سر کو جھٹک رہی تھی، جیسے وہ سخت تکلیف میں ہو۔

چیونٹے نے اس تکلیف میں دیکھا تو بڑا ترس آیا۔ وہ آگے بڑھا اور بھینس سے خیریت دریافت کی۔ بھینس سخت شرمندہ تھی۔

وہ روتے ہوئے بولی:

"بھائی چیونٹے! مجھے معاف کر دو! میں نے تم پر ظلم کیا تھا۔

اب اس کی سزا بھگت رہی ہوں"

"مگر تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

چیونٹا بے چینی سے بولا۔

"میں صبح بھوسا کھا رہی تھی کہ ایک چھوٹا سا تنکا اڑ کر میری آنکھ میں چلا گیا۔

تب سے میری آنکھ میں تکلیف ہے۔ مجھے کسی پل چین نہیں آ رہا ہے اور تنکا کسی طرح نکل بھی نہیں رہا ہے۔" بھینس نے بتایا۔

"میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" چیونٹا بولا۔

"تم اپنا سر زمین پر رکھو!"

بھینس نے جھٹ اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ اب چیونٹا اس پر چڑھ گیا اور آنکھ کے قریب جا کر تھوڑی دیر میں وہ تنکا باہر نکال پھینکا۔ تنکا نکلنے سے بھینس کو بے حد سکون ملا اور وہ احسان کے بوجھ تلے دب گئی۔

اس نے شکریہ ادا کیا اور بولی۔

"میں نے تم پر ظلم کیا، لیکن پھر بھی تم نے مجھ پر احسان کیا۔ آخر کیوں؟"

چیونٹا بولا۔

"سنو بہن! تمہاری بدی کے جواب میں اگر میں بھی بدی کرتا تو میرے اور تمہارے درمیان کیا فرق رہ جاتا۔

اگر تمام لوگ بدی کا جواب بدی سے ہی دینے لگیں تو دنیا سے نیکی بالکل ہی مٹ جائے گی۔ پھر اگر تمہیں اس خوشی کا احساس ہو جائے جو کسی کے ساتھ بھلائی کرنے سے ملتی ہے تو تم کو تمہارے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔

یہ سن کر بھینس نے وعدہ کیا کہ اب میں کسی کو نہیں ستاؤں گی اور سب کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں گی۔

☆......☆......☆



تمنائے دل

اے اللہ! میرے دل میں
تیرے پیارے ہی بستے ہیں
محبت ان ستاروں کی
میرے دل میں بسائی ہے
تیرا یہ کرم ہے ورنہ
میری اوقات ہی کیا ہے
الٰہی میرے دل پر جو
گناہوں کی سیاہی ہے
اسے اب دھو بھی دے یا رب!
یہ دل چمکا بھی دے یا رب!
ستاروں کی رفاقت کی
مجھے لیاقت عطا کر دے
ان اہل جہاد کی صحبت
مجھے مرغوب ہے یا رب!
تیری رحمت کی تمنا ہے
مغفرت مطلوب ہے مجھ کو
نہ مانگوں گی کسی سے بھی
تیرا در میں نہ چھوڑوں گی
تو مالک ہے جہانوں کا
مجھے مایوس مت کرنا
مجھے تو دنیا داروں کی
صحبت سے بچا رکھنا
الٰہی جیش والوں کی
مجھے صحبت عطا کرنا
تو قادر ہے تو ہی منعم
مجھے نعمت عطا کر دے
میرا رکھ لے بھرم مولا!
مجھے اپنا بنا لے تو
رضا تیری عطا ہو بس
تو میرا آسرا ہو بس
ان اپنے جانثاروں کی
مجھے خدمت عطا کر دے
سعادت یہ جو مل جائے
میری بگڑی سنور جائے
جہاد ہند میں یارب!
میرا حصہ بھی شامل ہو
شہادت کے حسیں رستے
بہت یاد آتے ہیں
تیرے یہ جو سپاہی ہیں
بہت ہی دل کو بھاتے ہیں
تیرا احسان ہو مجھ پر
کر اک نظر کرم مولا!
الٰہی عائشہ کو تو
بس اب قبول فرما لے
آمین! یا رب الشہداء والمجاہدین!

☆......☆......☆

بقیہ: پانچ کہانیاں پانچ سبق

ایک دن وہ گھوڑوں کے بڑے فارم کا مالک بنے گا۔ اس نے اپنے خواب کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا، حتیٰ کہ اس نے 200 ایکڑ پر محیط فارم کا خاکہ بھی کھینچا جس میں تمام عمارتوں، اصطبل اور ٹریک کا نقشہ بنایا گیا تھا۔

پھر اس نے 4,000 مربع فٹ کے گھر کا تفصیلی نقشہ تیار کیا جو 200 ایکڑ پر محیط اس کے خوابوں کے فارم پر بنے گا۔

اگلے دن اس نے یہ پروجیکٹ اپنے استاد کے حوالے کر دیا۔ دو دن بعد اسے اپنا مضمون واپس ملا، جس پر بڑے حروف میں ''فیل'' لکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ایک نوٹ لکھا تھا:

کلاس کے بعد مجھے ملو!

فارم کے خواب دیکھنے والا لڑکا کلاس کے بعد استاد سے ملنے گیا اور پوچھا، سر! آپ نے مجھے فیل کیوں کیا؟

استاد نے کہا:

"یہ تم جیسے لڑکے کے لیے ایک غیر حقیقی خواب ہے۔ تمھارے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تمھارے باپ کے پاس کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے، نہ ہی وسائل ہیں۔ گھوڑوں کے فارم کا مالک بننے کے لیے بہت زیادہ رقم درکار ہوتی ہے۔ تمھیں زمین خریدنی ہوگی۔ نسلی گھوڑے خریدنے کے لیے بڑی رقم چاہیے ہوگی اور عمارتوں کی تعمیر کے لیے اچھا خاصا سرمایہ درکار ہو گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ تم کبھی بھی یہ خواب پورا کر سکو گے۔" استاد نے مزید کہا۔

اگر تم اس مضمون کو زیادہ حقیقت پسندانہ مقصد کے ساتھ دوبارہ لکھو تو میں تمھارے گریڈ پر دوبارہ غور کروں گا۔

لڑکا گھر گیا اور دیر تک سوچتا رہا۔ اس نے اپنے والد سے پوچھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کے باپ نے کہا، بیٹا دیکھو، تمہیں یہ فیصلہ خود کرنا ہوگا، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمھارے لیے بہت اہم فیصلہ ہوگا۔ ایک ہفتہ مسلسل سوچنے کے بعد، لڑکے نے کسی تبدیلی کے بغیر وہ مضمون پھر استاد کے حوالے کر دیا۔

لڑکے نے بصد احترام کہا۔

"سر! آپ مجھے فیل رہنے دیجیے! میں اپنا خواب پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یہ کہانی سنانے کے بعد فارم کا مالک تقریب کے شرکاء کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا۔

"حاضرین! میں آپ کو یہ کہانی اس لیے سنا رہا ہوں کہ اس وقت آپ میرے 4000 مربع فٹ کے گھر میں بیٹھے ہیں، جو میرے 200 ایکڑ کے گھوڑوں کے فارم کے بیچ میں بنا ہوا ہے۔ میرے پاس اب بھی سکول کا وہ مضمون دیوار پر لگا ہوا ہے۔"

اس نے مزید کہا:

''کہانی کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ دو سال پہلے گرمیوں میں وہی سکول ٹیچر 30 بچوں کو ایک ہفتے کے لیے میرے فارم پر کیمپ لگانے کے لیے لائے تھے۔

جب ٹیچر رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے کہا، دیکھو، میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں۔ جب میں آپ کا استاد تھا، میں خواب چوری کرنے والا تھا۔ اس عرصے میں، میں نے بچوں کے بہت سے خواب چرائے۔ خوش قسمتی سے، تمھارے پاس اتنی ہمت تھی کہ تم نے اپنا خواب چوری ہونے سے بچالیا۔''

سبق: کسی کو اپنے خواب چرانے نہ دیں۔ اپنے دل کی بات مانیں۔ جب کوئی اپنے خواب کی تعبیر پانے کے لیے محنت کرتا ہے تو کوئی خواب بڑا یا چھوٹا نہیں رہتا۔ اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے دل و جان سے محنت کریں۔

☆......☆......☆

4) بدی کا چکر

ایک بادشاہ تھا جو اتنا ظالم اور بے انصاف تھا کہ اس کی رعایا دعا کیا کرتی کہ بادشاہ کی موت واقع ہو جائے یا اس کا تخت چھن جائے۔

ایک دن اس نے یہ اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا کہ اس نے اپنے آپ کو بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس نے کہا۔

''اب کسی پر ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی۔''

اس نے اپنے وعدے کا اتنا پاس رکھا کہ وہ ''نیک دل بادشاہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کئی مہینوں بعد اس کے ایک وزیر نے ہمت کر کے اس سے پوچھا کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا۔

''ایک دن میں جنگل میں سرپٹ گھوڑا دوڑا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک شکاری کتا لومڑی کا شکار کرنے کے لیے اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ لومڑی جان بچانے کے لیے اپنے بل میں گھس گئی، لیکن اس سے پہلے شکاری کتا اس کی ٹانگ کاٹ کر اسے ہمیشہ کے لیے معذور کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہی شکاری کتا ایک آدمی پر بھونک رہا تھا۔

آدمی نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور اسے کتے پر دے مارا، کتے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ وہ آدمی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ایک گھوڑے نے اسے لات مار دی۔ اس کا گھٹنا ٹوٹ گیا اور وہ زندگی بھر کے لیے معذور ہو کر زمین پر گر پڑا۔ گھوڑا پھر سے دوڑنے لگا لیکن آگے جا کر ایک گڑھے میں گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس پر غور کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ برائی برائی کو جنم دیتی ہے۔ اگر میں برے راستوں پر چلتا رہا تو یقیناً میرے ساتھ بھی برائی کی جائے گی۔ اس لیے میں نے اپنے آپ کو بدلنے کا فیصلہ کیا۔''

یہ سن کر وزیر کے دل میں خیال آیا کہ اب بادشاہ کی نیک دلی سے فائدہ اٹھا کر اس کو معزول کرنے اور تخت پر قبضہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

انہی خیالوں میں گم اس نے جونہی قدم بڑھایا، وہ سیڑھیوں سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

سبق: ہمارے اعمال کا کسی نہ کسی طرح ہم پر واپس اثر پڑتا ہے۔ ہم دوسروں کے ساتھ اچھا کریں گے تو ہمارے ساتھ بھلائی ہوگی، دوسروں کا برا کریں گے تو ہماری باری بھی آئے گی۔

☆......☆......☆

5) ایک بوڑھا جو ستاروں میں مستقبل پڑھتا تھا

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، کسی گاؤں میں ایک بوڑھا شخص رہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ستاروں میں مستقبل کو پڑھ سکتا ہے۔

وہ خود کو نجومی کہتا تھا اور رات کو آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر اپنا وقت گزارتا تھا۔

وہ ہر وقت مستقبل کی فکر میں مگن رہتا تھا۔ گاؤں والے اکثر اپنے مستقبل کا حال جاننے کے لیے اس کے پاس آتے تھے۔

ایک رات وہ گاؤں کے باہر کھلی سڑک پر چل رہا تھا۔ اس کی نظریں ستاروں پر جمی ہوئی تھیں۔ معاً اسے لگا کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔

وہ مستقبل کی سوچوں میں گم تھا۔ ستاروں کو دیکھنے کی دھن میں چلتے ہوئے اچانک وہ ایک دلدل والی کھائی میں جا گرا۔

وہ گدلے پانی میں ڈوب رہا تھا، اور باہر نکلنے کی کوشش میں دیوانہ وار کسی سہارے کی تلاش میں تھا۔

اب وہ حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ خوف کے عالم میں وہ مدد کے لیے چیخنے چلانے لگا۔

اس کی چیخ و پکار سن کر گاؤں والے دوڑے آئے، اور اسے کیچڑ سے باہر نکالا۔

گاؤں والوں میں سے ایک نے کہا۔

''تم ستاروں میں مستقبل پڑھنے کا ڈرامہ کرتے ہو، لیکن یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ تمہارے قدموں میں کیا ہے؟''

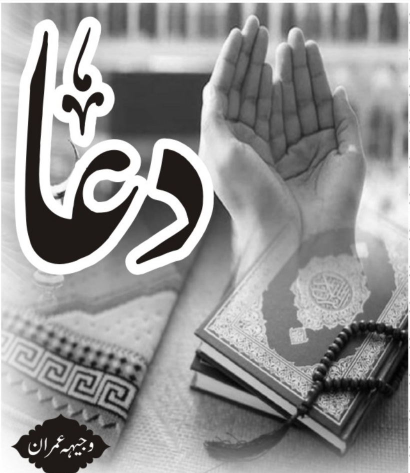
دوسرے نے کہا:

''ستاروں کو پڑھنے کا کیا فائدہ، جب آپ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ زمین پر کیا ہے؟''

سبق: ہم سب چاہتے ہیں کہ ہمارا مستقبل روشن اور خوشگوار ہو، لیکن وقت کسی کے لیے نہیں رکتا۔ ہر آنے والا کل آج میں بدلتا ہے، آپ کا حال بھی آپ کا مستقبل ہے۔ لہٰذا، آج سے فائدہ اٹھائیں، اپنی موجودہ زندگی کا توازن برقرار رکھیں اور آج ہی ایک بہتر کل کے لیے کام کریں۔

☆......☆......☆





دعا

وجیہہ عمران

رات کا وقت چاند کی ہلکی روشنی آسمان میں چمک رہی تھی، اور تارے چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہوا میں ایک سکون تھا، جیسے دنیا کا تمام شور شرابہ خاموش ہوگیا ہو۔ وہ ایک کھلی جگہ پر بیٹھا تھا۔ جہاں اردگرد درختوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ایک خاموش لمحہ تھا، جہاں روح کو سکون ملتا تھا۔

اس کی آنکھیں آسمان کی وسعتوں میں گم تھیں اور دل میں دعا کی لہر جاری تھی۔ اپنے دل کی باتیں، اپنی خواہشات اور امیدیں اس کے سامنے رکھتا تھا۔ یہ ایک خاص لمحہ تھا، جہاں اسے لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر بات سن رہے ہیں، اور اس کی دعائیں اللہ کے دربار میں پہنچ رہی ہیں۔

یہ سکوت اور دعا کا لمحہ اس کی زندگی کی مشکلات اور چیلنجز کو بھول جانے کا موقع فراہم کرتا تھا۔ اس کی روح میں ایک نئی طاقت اور امید کی کرن بیدار ہوتی تھی، جو اس کو آگے بڑھنے کی ہمت دیتی تھی۔ یہ ایک خوبصورت اور روحانی تجربہ تھا، جو اس کو اللہ کے قریب لے جاتا تھا۔

یا اللہ مجھے معاف کردے!! میں تیرا گناہ گار بندہ ہوں، میری زندگی آسان بنادے، مجھے آخرت میں کامیاب کرنا، مجھے میرے والدین کا فرمانبردار بنادے، یا اللہ میری دعائیں قبول فرما، مجھے مضبوط ایمان عطا فرما، یا اللہ میرے غفور رحیم مالک میری دعائیں قبول فرما۔

ایک شخص موم بتی کی روشنی میں صبح کے پہر سے پہلے جب لوگ آرام کرتے وہ جائے نماز پر بیٹھا اپنے رب سے باتیں کرتا تھا۔ اس کی دعا کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ اس سنسان خاموشی میں اللہ سے باتیں کرنا اسے بڑا سکون دیتا تھا۔ لیکن آج اس کی دعائیں پہلے جیسی نہیں تھیں۔ آج وہ تھکا تھکا تھا۔ اس کا چہرہ اتنا گیلا جیسے پانی میں ڈوبا ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کی لہریں بہہ بہہ کر گردن سے بہتی قمیض کے اندر تک چلی گئی تھیں۔ آواز میں تھرتھراہٹ تھی۔ الفاظ منہ میں ہی دبے تھے باہر نکالتا تو حلق سے ساں ساں کی آواز آتی، اس کی سسکیاں کوئی نہیں سن رہا تھا۔ اس کے دل میں تڑپ تھی۔ الفاظ نہ نکلتے ہوئے بھی بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کی آواز نہیں سن رہا۔ کوئی اس سے بات نہیں

کرنا چاہتا، کوئی اس کا اپنا نہیں، اسے کوئی معاف نہیں کرے گا، اس کے دل کا بوجھ کوئی ہلکا نہیں کر سکتا، اس کا درد کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن اسے صرف اسی پہ یقین تھا۔ وہ اس کی پکار سن رہا ہے۔ اس کے دل کا حال جانتا ہے۔ اس کی تڑپ دیکھ رہا ہے۔ اس کے گناہ دیکھ رہا ہے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا رب اس اندھیرے میں صرف اسی کی آواز سن رہا ہے۔

یا اللہ میں نے اپنی زندگی بے کار کاموں میں ضائع کر دی۔ میں نے تیرے احکامات کی پیروی نہیں کی۔ میرے مالک میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یا الرحمن بے شک تو بھی مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ یا اللہ میں گناہوں سے بچنے کی بہت کوشش کرتا ہوں۔ پھر بار بار مجھ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ میں بار بار تجھ سے معافی مانگتا ہو تو بار بار معاف کرتا ہے میرے مالک مجھے معاف کر دے۔ مجھے روز قیامت بخش دینا۔ یا اللہ میرا شمار اپنے نیک بندوں میں کر دے۔ یا اللہ۔۔ میں جیسا بھی ہوں نافرمان ہوں۔ تیرے احکامات نہیں مانتا۔ بہت گناہ گار بندہ ہوں۔ یا میرے پاک پروردگار ہوں تو تیرا بندہ نہ۔۔۔ مجھے روز قیامت میرے نبی کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ یا اللہ میں تجھے خوش کرنا چاہتا ہوں۔ میں تیرے لیے دونیاوی خواہشات قربان کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ہدایت دے میرے رب۔ مجھے ہدایت دے دے۔ میرے مالک میں گناہوں میں مبتلا انسان تیری رحمت کا محتاج ہوں۔۔۔ میرے رب مجھ سے راضی ہو جا۔۔۔ یا رب مجھے ہدایت دے دے۔ میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے سیدھے راستے پر چلا۔ میں تیری رحمت اور فضل کا طلب گار ہوں۔ یا اللہ مجھے ہدایت دے دے۔

وہ اللہ کا خاص بندہ ہے جو اپنے رب سے بہت ڈرتا ہے۔ جسے اپنی آخرت کی فکر ہے۔ ایک گناہ گار بندہ اپنے دل میں اللہ کی محبت اور رحمت کا طلب گار ہے۔ وہ اپنے دل کو ایمان سے بھرنا چاہتا ہے۔ اپنی تنہائی کو پاک رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے دل میں خوف ہیں۔ وہ اپنی جوانی کے وقت کو اچھائی میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ اسے اپنے رب کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ بار بار اپنی ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ پیشانی زمین پر ہے، اس کے چہرے پر عاجزی اور خضوع کی ایک خاص چمک ہے۔ وہ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے، ہر چیز سے بے نیاز ہو کر دعا مانگ رہا ہے۔ وہ دنیا کی تمام مصروفیات سے دور صرف اپنے رب کی طرف متوجہ ہے۔

اس کے ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے رب کی رحمت کی بارش کی امید میں ہے۔ اس کے دل میں ایک سکون ہے، جیسے وہ جانتا ہے کہ اللہ اس کی دعا سن رہا ہے۔

یہ اس کی زندگی کا ایک اہم لمحہ ہے، جہاں وہ اپنی تمام تر کمزوریوں اور مشکلات کے باوجود اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے، اور اس کی دعا میں ایک خاص طاقت ہے جو اس کے دل کی گہرائیوں سے

نکل رہی ہے۔

وہ جانتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے اور وہ کبھی بھی اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ اس کی آنکھیں بند ہیں لیکن دل کی آنکھیں کھلی ہیں۔ جو اللہ کی قدرت اور رحمت کو دیکھ رہی ہیں۔

وہ جانتا ہے کہ حقیقی سکون اور خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ جڑ جائے۔

آس پاس کا ماحول بھی اس کی دعا کی شدت کو محسوس کر رہا ہے۔ ہوا میں ایک خاموشی ہے۔ جیسے سب کچھ اس کی دعا کی قبولیت کی دعا مانگ رہا ہو۔ آسمان میں ہلکے نیلے رنگ کے ساتھ ساتھ نارنجی اور گلابی رنگ کی چمک پھیل رہی ہے۔ دور درختوں کی شاخیں ہوا میں ہلتی ہیں، اور پرندے چہچہاتے ہوئے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ زمین پر نرم گھاس ہے۔

ہر چیز میں ایک سکون ہے، جیسے وقت تھم گیا ہو۔ ہوا میں تازگی ہے۔ طلوعِ آفتاب کا منظر ہے۔ وہ ابھی تک سجدے میں اپنے رب کے حضور جھکا ہوا ہے۔ اس کے آنسو خشک ہو گئے ہیں۔ اور دل کو سکون محسوس ہو رہا ہے۔ اب وہ اپنے رب کا شکر ادا کر رہا ہے۔

یہ سچ ہے۔ کہ اپنے رب کے حضور شرمندہ ہو کر ایک تڑپ کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے سجدے کی حالت میں آنسو بہا کر اپنے گناہوں کی معافی اور ہدایت کی طلب مانگنے کے بعد جب تم ایک ٹھنڈک سی محسوس کرو تو سمجھ جانا تمہارے رب نے دعا قبول کر لی ہے۔ تمہیں معاف کر دیا ہے۔

کیا آپ نے بھی کبھی اس طرح تڑپ کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگی ہے؟ ہدایت کی طلب کی ہے؟ کبھی اتنا خوف دل میں آیا ہے؟ تہجد کے وقت کی دعاؤں میں خاص تاثیر ہوتی ہے، جب انسان اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے دعا مانگتا ہے۔ رات کا وقت اللہ کی یاد میں گزارنے کے لیے بہترین ہے۔ کیا آپ نے کبھی ایسے لمحات کا تجربہ کیا ہے؟

آپ بھی آپنی زندگی میں ایسے لمحات کو محسوس کر کے دیکھیں۔ دنیا کی رنگینیوں سے ہٹ کر بھری جوانی میں اپنے رب سے دعا کیا کریں۔ ہدایت کی دعا کیا کریں۔ اگر آپ سچے دل سے ہدایت کی طلب کرتے ہیں، تو ان شاء اللہ آپ کو راہنمائی ملے گی۔ اپنی نیت کو خالص رکھیں۔ آپ کی کوششیں آپ کو نیکی کی راہ پر لے آئیں گیں۔ اللہ ہمیشہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا اور معافی مانگنا ایک بہت بڑی بات ہے۔ دنیا آخرت میں کامیابی کے لیے ہدایت اور معافی کی دعا مانگنا بہت ضروری ہے۔ اپنے عزیزوں، رشتوں اور ارد گرد کے لوگوں کے لیے بھی دعا کریں۔ ان کی خوشیوں اور کامیابیوں کی دعا کریں۔ ہم سب ایک دوسرے کے لیے دعا کریں، کیونکہ یہ عمل محبت اور اتحاد کا مظہر ہے۔ اللہ آپ کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور آپ کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین

مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆......☆......☆

تلوار اور ڈھال

ابوبکر فاروق



شدت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ سب سر سے پاؤں تک پسینے سے شرابور تھے۔ علمبر دار لشکر، پرچم اٹھائے ہوئے، چلچلاتی دھوپ میں تیزی کے ساتھ قلعہ کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے مجاہدین قدم سے قدم ملاتے ہوئے وقار کے ساتھ چل رہے تھے۔ چلتے رہے یہاں تک کہ قلعہ کی دیوار کے بالکل نیچے پہنچ گئے۔ علم بردار لشکر نے پتھروں کے ایک ڈھیر پر جا کر پرچم گاڑھ دیا۔ اور خود اس کے سامنے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اسی وقت قلعہ کی چوٹی سے ایک یہودی نے نیچے جھانک کر دیکھا اور بلند آواز سے کہا:

تم کون ہو؟

علم بردار لشکر نے جواب دیا:

میں علی بن ابی طالب ہوں۔

اس نے جل کر کہا:

تم لوگ ہمارے سر پر سوار ہو گئے ہو، لگتا ہے کہ تم ہماری جان نہیں چھوڑو گے؟

اس کے بعد قلعہ کا دوازہ کھلا۔ ایک یہودی کیل کانٹے سے لیس، اکڑتا مٹکتا، دروازے سے نکلا، حضرت علیؓ کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے جوانوں کا ایک ہجوم نعرے لگاتا ہوا چلا۔ یہودی جوان جس نے اپنے چہرے پر لوہے کا خود چڑھایا ہوا تھا، بلند آواز سے بولا:

میں حارث ہوں۔

کوئی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟

حضرت علیؓ نے اس کی للکار کا جواب دیتے ہوئے کہا:

میں ابو طالب کا بیٹا علی ہوں۔

میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔

یہ کہہ کر حضرت علیؓ نے تلوار فضا میں لہرائی۔ وہ بھی تلوار لے کر حضرت علیؓ پر جھپٹا۔ مقابلہ شروع ہو گیا۔ کچھ دیر تلوار اور ڈھال کا تبادلہ ہوتا رہا۔

اچانک حضرت علیؓ نے پینترا بدل کر تلوار کا ایک ایسا زوردار وار کیا، جس کو روکنے کے لئے اس نے ڈھال بڑھائی لیکن تلوار ڈھال کو چیر کر اس کے شانے پر جا لگی۔ شانہ پوری طرح کٹ گیا۔ تلوار سینے تک اتر گئی۔

بہادر اف کہہ کر زمین پر گر گیا اور خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کے ساتھی دم دبا کر بھاگے اور قلعہ میں گھس گئے۔ قلعہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد قلعہ کا دروازہ پھر کھلا۔ ایک قوی ہیکل انسان، صورت شیطان، بڑے طمطراق کے ساتھ قلعہ سے نکلا۔ سر سے پاؤں تک فولاد میں ڈوبا ہوا تھا۔

دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ سر پر دو عمامے بندھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر ایک چپٹا پتھر رکھا ہوا تھا۔ جسے مضبوطی سے باندھا گیا تھا۔ چہرے پر لوہے کا مضبوط خود چڑھا ہوا تھا۔

اس ہیئت کذائی کے ساتھ وہ شیطان صورت انسان، رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا اور للکار کر کہا:

"میں مرحب ہوں، سارا خیبر جانتا ہے کہ میں نڈر بہادر جنگجو اور نہایت تجربہ کار ہوں۔

تم میں کوئی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے۔؟"

حضرت علیؓ نے فوراً اس کی للکار کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"میں ابو طالب کا بیٹا علیؓ ہوں۔ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے جس کے معنی کچھار کا شیر۔ وہ شیر جس کی ہیبت سے دل دہل جائیں۔"

یہ کہہ کر شیر خدا، یہودی پہلوان کے سامنے آ گئے۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں اور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ دو شیر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ لوگ دم بخود ہو کر دیکھنے لگے۔

دونوں پہلوان موت سے کھیلنے لگے۔ زندگی مایوس ہو کر ایک طرف ہو گئی۔ کچھ دیر تلوار اور ڈھال کا تبادلہ ہوتا رہا۔

پھر اچانک شیر خدا نے اچھل کر تلوار کا ایسا زور دار وار کیا، جو کارگر ثابت ہوا۔ تلوار ڈھال پر پڑی۔ ڈھال دو ٹکڑے ہو گئی تلوار خود سے جا کر ٹکرائی۔ خود کٹ گیا۔ اس کے نیچے پڑا ہوا پتھر ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا۔

اس کے نیچے دو عمامے تھے تلوار ان سے گزرتی ہوئی کھوپڑی تک پہنچ گئی۔ کھوپڑی پھٹ گئی۔ تلوار جا کر داڑھ کے دانتوں میں پھنس گئی۔

بہادر لڑکھڑا کر گرا۔ سردار کے گرنے کی دیر تھی کہ اس کا بھائی یاسر غصہ سے کھولتا ہوا سامنے آ گیا۔ وہ اپنے بھائی کی طرح رجز پڑھ رہا تھا۔

اور یہ کہہ رہا تھا:

"میں مرحب کا بھائی یاسر ہوں۔ سارا خیبر مجھے جانتا ہے میں ہتھیار پوش بہادر ہوں۔ کشتوں کے پشتے لگا دینے والا ہوں۔

بولو! تم میں کوئی مائی کا لال ایسا ہے جو میرے ساتھ پنجہ آزمائی کر سکے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد حضرت زبیر بن عوامؓ تلوار سونت کر اس کے سامنے آ گئے۔ اور

اس کی للکار کا جواب دیتے ہوئے کہا:

”میں عوام کا بیٹا زبیر ہوں۔

میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔“

اتفاق سے اس وقت حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب وہاں موجود تھیں۔ بیٹے کی جرات دیکھ کر ماں کی مامتا جوش میں آ گئی۔ بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔

یارسول اللہ ﷺ! مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ظالم میرے بیٹے کا کام تمام نہ کر دے؟“

آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

”نہیں! ڈرنے کی بات نہیں۔ فتح ہماری ہے۔ انشاءاللہ زبیرؓ اس کا کام تمام کر دے گا۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت زبیرؓ اور یاسر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ حضرت زبیرؓ وار کرتے تو وہ اپنی ڈھال پر روک لیتا جب یاسر تلوار کا وار کرتا، تو حضرت زبیرؓ اسے اپنی ڈھال پر روک لیتے۔

تلوار اور ڈھال کا یہ کھیل کافی دیر ہوتا رہا۔ آخر اللہ کے شیر نے شیطان کے چیلے پر ایسا وار کیا، جو اسے لے ڈوبا۔ سر تن سے جدا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تڑپتا رہا پھر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ یاسر بھی اپنے بھائی کی راہ چلا گیا۔

حضرت زبیرؓ خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں گر گئے۔

ماں انہیں دعائیں کرنے لگیں۔

آپ ﷺ کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

”تم پر چچا اور ماموں قربان ہو جائیں۔ تم نے کمال کر دکھائی! ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں۔ یعنی جان نثار دوست ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں۔“

ایسے موقعوں پر کسے سوچنے اور سننے کی فرصت ہوتی ہے حضرت زبیرؓ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے تحسین کے کلمے سن کر اچھل پڑے اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ صفوں کی صفیں لپیٹتے چلے گئے۔ یہودی اپنے سرداروں کو پیہم چلے جانے سے بپھر گئے تھے دیوانہ وار لڑ رہے تھے اور موت سے ہم آغوش ہو رہے تھے۔ یہودیوں کا سب سے زیادہ ہجوم شیر خدا حضرت علیؓ پر ہوا لیکن وہ ذرہ بھی نہ گھبرائے۔

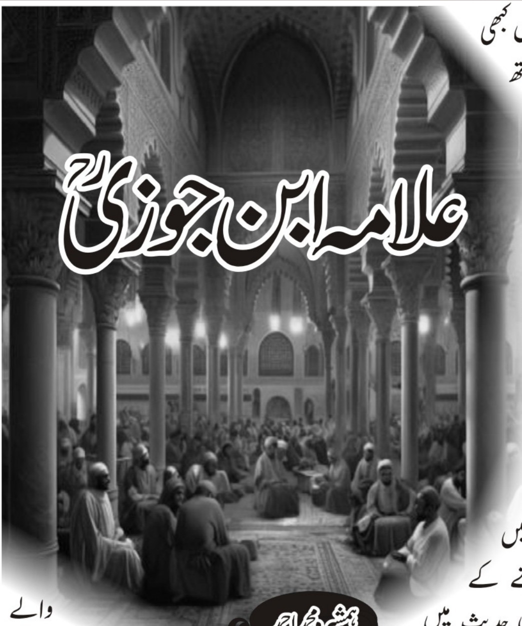
وہ کفر کی گھٹا سے بجلی کی طرح تڑپ کر نکلے۔ پھر سنبھل کر دوبارہ دشمن پر جا پڑے۔ دو دستی تلوار چلانے لگے۔ جو سامنے آیا فی النار والسقر ہوا۔

سینکڑوں یہودیوں کو ٹھنڈے ٹھنڈے دوزخ پہنچا دیا۔ ان کے سب سردار ایک ایک کر کے مارے گئے۔

یہودی جو کسی کو اپنا ہم پلہ خیال نہیں کرتے تھے آج وہ اللہ کے شیروں کے سامنے خاک چاٹنے پر مجبور ہو چکے تھے۔

وہ رحم کی اپیل کرنے لگے۔ جو منظور کر لی گئی اور اس دن سے حضرت علیؓ شیر خدا خیبر شکن کہلائے۔

☆......☆......☆



علامہ ابن جوزیؒ

ہمشیرہ محمد احمد

مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ زور سے ہنسا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، سات سال کی ابھی عمر تھی کہ میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جایا کرتا تھا۔

وہاں کسی مداری یا شعبدہ بازی کے حلقہ میں کھڑے ہوکر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا۔

وہ حدیث کی سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، گھر آ کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف نکل جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

میں اساتذہ اور شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی، صبح اور شام اس طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا۔

اپنے بچپن کی ابتدائی تعلیم کا حال سنانے والے ابن جوزی کو محنت و جفاکشی کی عادت ابتداء سے پڑی، مطالعہ کا ذوق کیا دھن لگی، پھر بغداد کے کتب خانوں کی سدا بہار چمن کے سیر کا موقع فراہم ہوا۔

اس چمن کی سیر میں ہزاروں کارواں کی چمک اور ان کے آثار رفتہ کی مہک نے ان کی شخصیت کو علم کا شوق، محنت کا جذبہ، مطالعہ کا ولولہ اور ہمت کی بلندی جیسے تعمیری عناصر عطا کئے اور ہر عہد ساز شخصیت کی طرح ان کو بھی زمانہ اور اہل زمانہ کی عام سطح پست معلوم ہونے لگی۔

پس انہوں نے اپنے دور کے عالم رنگ و بو کی چند کلیوں پر قناعت نہیں کی بلکہ علاج تنگیٔ

داماں کے لئے اس گلشن کی کلی کلی کو ٹٹولنا شروع کیا اس طرح وہ تاریخ کے قافلہ میں اپنا نام اور اپنے زمانے میں نئی زندگی اور نئی صبح وشام پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

چنانچہ ایک طرف وہ خطابت کی ولولہ انگیزیوں سے نہیں انقلاب انگیزیوں سے زمانہ کے درد کا درماں کئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اور دوسری جانب تصنیف و تالیف کی ''خاموش انجمن'' کی مسند شاہی پر چراغاں کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جہاں ان کے وعظ وخطابت کی ایک ایک مجلس میں ایک لاکھ آدمی مؤرخین نے شمار کئے، وہاں ان کے سوانح نگاروں نے یہ بھی لکھا کہ ان کے اشہب قلم کی جولانیاں کسی ایک میدان تک محدود نہیں۔

تفسیر، تاریخ، تصوف سے لے کر نقد و آپ بیتی جیسے مختلف فنون میں ان کا قلم یکساں رواں دواں ہے، حافظ ابن رجب نے طبقات حنابلہ میں لکھا ہے کہ ابن جوزیؒ کی تصنیف سے کوئی فن خالی نہیں۔

علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں آ کر یہ اعلان بھی کر دیا کہ:

''میرے علم میں ایسا کوئی عالم نہیں گزرا جس نے اس شخص جتنی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہو''

سو وہ ان بلندیوں تک پہنچے لیکن پہلے عوامل فطرت کے وہ تمام زینے عبور کئے جن کے بغیر رسائی کا تصور خیال است ومحال است وجنون:

بقول کسے۔۔

ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن
یہ نکتہ زمین سے گردوں دور نہیں ہے

اور وہ فطری عوامل کیا ہیں؟ آئیے! انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

''میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب نظر پر آجاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، اگر میں کہوں کہ میں نے طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا۔

مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات واخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوت حافظہ، ذوق عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے بغیر نہیں ہوسکتا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانے کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی اور اس وقت کے طلبۂ علم کی کم ہمتی منکشف ہوگئی۔

میں نے مدرسہ نظامیہ کے پورے کتب خانہ کا مطالعہ کیا، جس میں چھ ہزار کتابیں ہیں، اس طرح (بغداد کے مشہور کتب خانے) کتب الحنفیہ، کتب الحمیدی، کتب عبدالوہاب، کتب ابی محمد وغیرہ جتنے کتب خانے میری دسترس میں تھے سب کا مطالعہ کر ڈالا''۔

وقت اور زندگی کی قدر وقیمت کے احساس کا ذکر کرتے ہوئے وہ اپنا حال سناتے ہیں۔

''وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور صالح کاموں میں وقت کا صرف کرنا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کے ثبوت کے لئے دلائل پیش

کئے جائیں، اس لئے مجھے لوگوں کا بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں اب اگر لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہوں تو بھی مناسب نہیں کہ اس سے انس و محبت کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان سے لایعنی ملاقاتوں سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں۔

مزید یہ کہ ایسے وقت کے لئے اس قسم کے کام چھوڑ رکھتا ہوں جن میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے قلم کا قط لگانا، کاغذ کاٹنا اور دیگر اس قسم کے ہلکے پھلکے کام، میں ملاقات کے وقت کرتا ہوں، اس طرح ملاقات بھی ہو جاتی ہے اور یہ کام بھی مکمل ہو جاتے ہیں اور عمر عزیز کی قیمتی ساعتیں صرف گفتگو میں ضائع نہیں ہوتی ہیں''۔

وقت کی اس قدر دانی اور محنت و مطالعہ کے اس جذبہ ہی کی برکت تھی کہ اللہ نے ان سے وہ کام لیا کہ اگر آج کوئی ان کی تمام تصانیف صرف نقل ہی کرنا چاہے تو شاید عمر بھر وہ نقل بھی نہ ہو سکیں۔

پھر ان کی طلب کے جذبہ تاباں کو زندگی کی کسی منزل کی چلتی شادابی یا عمر کے کسی مرحلہ کی گزری جوانی سے گہن نہیں لگا، وہ جذبہ جیسا جواں تھا زندگی بھر ایسا ہی تاباں رہا اور ضعف و پیری کے بدلتے تیور کسی طرح اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

چنانچہ جب کاراونِ زندگی ۸۰ منزلیں طے کر چکا، عمر کے اس مرحلہ میں بھی شوق علم کا یہ عالم تھا کہ اپنے صاحب زادے سمیت علامہ باقلانی سے واسطہ میں حدیث پڑھنی شروع کی اور حقیقت یہ ہے کہ:

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

ہر روز چار جز لکھنا ان کا زندگی بھر معمول رہا، اس کا مجموعہ سال میں پچاس ساٹھ جلدیں بن جاتا، آخر عمر میں وہ فرماتے تھے:

''میں نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں''۔

جب وقت مرگ آپہنچا تو وصیت کی کہ غسل کا پانی اس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، سو ایسا ہی کیا گیا اس کا ذخیرہ اتنا تھا کہ پانی نہ صرف یہ کہ گرم ہو گیا بلکہ وہ بچ بھی رہا۔

جب ان کی تصانیف کا اندازہ لگایا تو فی یوم نو جز کی تالیف کے حساب سے ان کی تصنیفی رفتار کا نتیجہ نکلا۔

آپؒ کے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ اور بیس ہزار کافروں نے اسلام قبول کیا۔

۳ رمضان ۵۹۷ھ میں آپ نے انتقال فرمایا، نوے سال کے قریب عمر پائی۔

رحمۃ اللہ علیہ

☆......☆......☆



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

وہ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا لقب منحور تھا۔ وہ ہجرت نبوی کے بعد ایمان لائے۔ غزوہ احد میں انہوں نے بہت شجاعت دکھائی۔ بہت جوش وخروش سے لڑے۔

دوران جنگ ایک تیر ان کے سینے میں آ کر لگا۔ سخت زخمی ہوئے، لڑائی کے بعد انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے زخم پر لگایا۔ اس کی برکت سے زخم بہت جلد ٹھیک ہو گیا۔ اس لیے آپ منحور کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سینے کو عربی میں نحر کہتے ہیں۔ نبی پاک کا لعاب دہن آپ کے سینے پر لگا تو منحور نام پڑ گیا۔

ان کے متعلق ایک اور واقعہ یہ ملتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک صحابی کی اونٹنی اتفاق سے آپ کی اونٹنی سے لڑ پڑی۔ صحابی کے جوتے کا کنارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے رگڑ کھا گیا۔ آپ کو اس سے تکلیف پہنچی۔ آپ نے ان کے پاؤں پر کوڑا مارا اور فرمایا:

"اپنا پاؤں پیچھے ہٹاؤ، میری ران زخمی ہو گئی ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی نے ان پر لرزہ طاری کر دیا۔ کوڑے کی تکلیف کو بھول گئے۔ اپنی آخرت کی فکر پڑ گئی۔ صبح کے وقت جب لشکر نے جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا:

''تمہارے جوتے سے میری ران پر خراش آ گئی تھی ، اس پر میں نے تمہارے پاؤں پر کوڑا دے مارا، میرے کوڑے سے تمہیں تکلیف پہنچی ، اس کے بدلے میں میں تمہیں بکریوں کا یہ ریوڑ دیتا ہوں۔''

وہ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور بولے:

''آج مجھ سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہے، میرے آقا نے نہ صرف مجھے معاف فرمادیا بلکہ مجھ پر خاص لطف و کرم فرمایا ہے۔''

سن 6 ہجری میں آپ صلح حدیبیہ میں شریک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔یعنی جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جنت کی بشارت عطا فرمائی تھی ،یہ ان میں سے ایک تھے۔

بیعت رضوان کے بعد آپ نے غزوہ خیبر میں بھی حصہ لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مالِ غنیمت میں سے دہرا حصہ عطا فرمایا۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبیلہ غفار کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو جہاد کی طرف راغب کریں، جہاد کے لیے ابھاریں۔ اس سال گرمی شدید تھی ، زبردست خشک سالی تھی اور تبوک کا سفر بہت طویل تھا،لوگ گھبرا رہے تھے،لیکن انہوں نے ایسے پرخلوص انداز میں انہیں جہاد کی طرف بلایا کہ ایک بڑی تعداد اپنا وطن چھوڑ کر مجاہدین میں شامل ہوگئی۔ان سے دو احادیث مروی ہیں۔

ان کی وفات کے متعلق تاریخ میں واضح طور پر کچھ نہیں ملا۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

شمارہ ربیع الاول کا درست جواب:
حضرت علی کرم اللہ وجہہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ماہ ربیع الاول 1446ھ کے انعام یافتہ

بنت محمد فاروق

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

بنت شہزاد۔نسیم احمد۔ابوبکر۔حفیظ الرحمٰن۔بنت کلثوم۔ام محمد۔حنیفہ احمد۔زبیر صدیق۔ حبیب اللہ۔ہمشیرہ محمد احمد۔قاری مشتاق۔محمد انس۔محمد عمر۔بنت فارق۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی ذہانت بوجھنی ہو تو کیا کریں؟

جواب:

☆چپ رہیں اور اسے بولنے دیں۔

☆......☆......☆

بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ سے ہمیشہ دوسروں نے سوال کیا۔ کیا کبھی آپ نے خود سے کوئی سوال کیا؟

جواب:

☆خود سے بہت سوال کیے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتا۔

کیا یہ سچ ہے کہ سمندر کے بیچ میں نقطہ ہے؟

جواب:

☆سمندر کے بیچ میں ایک نہیں، چھ نقطے ہیں۔

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ!

شیخ چلی کے کیا معنیٰ ہیں؟ جبکہ شیخ عربی اور چلی انگلش زبان کا لفظ ہے؟

جواب:

☆اس کا مطلب ہے انگریزی زدہ عرب

(ہمشیرہ رومیصہ زبیر، ڈی آئی خان)

☆......☆......☆

جناب!!

بوجھ بجھکڑ صاحب!

سردیوں کی آمد آمد ہے۔

کوئی نصیحت ہی کردیں۔

جواب:

☆سردی نصیحت نہیں مانتی۔

(آمنہ اقبال لاہور)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر آپ کسی اور عمر میں ایک ہفتہ گزار سکتے ہیں تو آپ کس عمر کا انتخاب کریں گے؟

جواب:

☆اگلی عمر

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

کیا آپ نے کبھی کوئی ایسی چیز کھائی ہے جس سے آپ کو فوراً پچھتاوا ہو؟

جواب:

☆یہ کیس تو گنتی سے باہر ہیں۔

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر آپ دنیا میں کہیں بھی سفر کر سکتے ہیں، تو آپ کہاں جائیں گے؟

جواب:

☆سب سے پہلے تو کہاں جاؤں گا پھر وہاں

پھر جہاں آخر میں یہاں لوٹ آؤنگا۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

کیا آپ کے پاس کوئی پوشیدہ ٹیلنٹ ہے؟

جواب:

☆وہ ٹیلنٹ ہی کیا جو پوشیدہ رہ جائے۔

(عائشہ زبیر)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ کی خواہش ہے کہ آپ کے پاس کون سا ہنر ہوتا؟

جواب:

☆خواہشات ختم کرنے کے ہنر کی خواہش ہے۔

(جعفر، بہاولپور)

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

جھوٹ میں اور سفید جھوٹ میں کیا فرق ہے؟

جواب:

☆جھوٹ سانولے لوگ بولتے ہیں اور سفید جھوٹ انگریز۔

(محمد فاروق، چکوال)

☆......☆......☆

جناب ابوامامہ صاحب

بعد ادب واحترام گوش گزار ہوں کہ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کی اس دینی خدمات کو اپنی بارگاہ ربوبیت میں قبول فرمائے آمین ہم بہت خوش ہیں یہ رسالہ مسلمان بچوں میں جہادی جذبہ اجاگر کرتا ہے۔

محترم بھائی ابوامامہ صاحب

میں مسلمان بچے کا مستقل قاری ہوں خود بھی بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور اپنے دوست واحباب کو بھی تحفہ کے طور پر دیتا ہوں میری آپ سے عرض یہ ہے کہ میں نے تحریر بھیجی وہ نہیں چھپی براہ کرم اگلی بار چھاپ دیجئے گا۔

نہیں آتا میرے دل کو اس وقت تک قرار



جب تک نہ پڑھ لوں مسلمان بچے تین بار

جب پھر ہوم ورک ہو نہ مکمل تو

پڑتی ہے پھر ابو کی ڈانٹ بار بار

(محمد عبداللہ فاروقی)

☆......☆......☆

محترم بھائی ابوامامہ صاحب

محترم تمام پیارے بھائیوں کو میری طرف

اللہ تعالیٰ مجاہدین کی حفاظت فرمائے اور ان کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

آمین یارب الشہداء والمجاہدین

والسلام

مبشرہ ارشد

☆......☆......☆

سے بہت بہت سلام اور دعا۔

دعا کے بعد عرض ہے کہ آپ تمام پیارے بھائی اللہ کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ہوں گے مجھے پکی امید ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے آپکے لئے بہت دعا کرتی ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو تمام پریشانیوں، مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچائے۔ (آمین)

اس ماہ کا شمارہ بہت خوبصورت تھا تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ یہ سب کہانیاں بہت خوبصورت انداز سے بیان کی جارہی ہیں۔ ٹیپو سلطان کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ بھائی جان میں نے آرٹ گیلری بنا کر بھیجی تھی لیکن شامل نہیں کی گئی امید ہے کہ اب ضرور شامل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ تمام سارے پیارے بھائیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین)

آپ کی بہن ام حلیمہ

☆......☆......☆

محترم و مکرم ابو امامہ صاحب

سلام کے بعد عرض ہے کہ اس ماہ کا شمارہ پڑھا تو بہت خوشی ہوئی۔ رسالے نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اللہ آپ جیسے مدیر کو لمبی عمر دے۔

میں نے چاہا کہ جیسے مدیر صاحب دن رات ایک کر کے رسالے کو بڑے اچھے طریقے سے ترتیب دیتے ہیں اور شائع کرتے ہیں اور پھر جہاد جیسے عظیم فریضے کو ہم تک پہنچاتے ہیں ہم بھی دنیا کے کونے کونے تک جہاد کو پھیلائیں گے۔

جہاد کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں گہرائی سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی چاہیں، کیونکہ جس کے دل میں جہاد کی تمنا نہیں وہ منافقت کی موت مرتا ہے۔

میری طرف سے آپ کو اور امیر محترم کو ڈھیر سارا سلام ہے۔ ایک تحریر بھیجی ہے امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ شکریہ

والسلام

(محمد زبیر فاروقی)

☆......☆......☆

محترم بھائی جان!

بعد از سلام عرض گزارش ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور آپ کو مکمل صحت یاب کریں آپ کو تمام حوادث اور فتنوں سے بچائے۔ آمین

دعا کے بعد عرض یہ ہے کہ یہ میرا پہلا خط ہے جو ارسال کر رہا ہوں اس لئے آپ اس کو ٹوکری کی خوراک نہیں بنائیں گے اور اس کے بعد میری آپ سے گزارش ہے کہ اگر آپ خود اپنا ایک مستقل مضمون شائع کرتے تو اچھا ہوتا۔

والسلام

(عمیر، شاہین)

☆......☆......☆

محترم بھائی جان ابو امامہ صاحب

ایک عرصے سے ہم ''مسلمان بچے'' کے قاری

ہیں، لیکن ''آدھی ملاقات'' میں پہلی دفعہ شرکت کر رہے ہیں، امید ہے کہ حوصلہ افزائی فرمائینگے۔ پہلے بھی چند چیزیں ارسال کی تھیں جن میں سے کچھ تو شائع ہوئی اور کچھ نہیں ہوئی۔ اب پھر چند چیزیں اور آرٹ گیلری بھیج رہے ہیں امید ہے شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

اللہ تعالیٰ آپکی اور تمام مجاہدین کی نصرت فرمائیں اور علم و عمل اور زندگی میں برکت فرمائیں۔

میری طرف سے مسلمان بچے کے توسط سے حضرت مولانا مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ کو سلام پہنچے، اور ان کے لئے دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قدم قدم پر حفاظت اور نصرت فرمائے، اور آپ کی امی جان کو بھی محبت اور عقیدت بھرا سلام۔

والسلام

(امامہ حفیظ، پہاڑپور)

☆......☆......☆

محترم مدیر صاحب

امید ہے آپ سب خیریت سے ہونگے، میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں اس سے پہلے کہ میں کچھ عرض کروں۔ میں اپنے پیارے مجاہدین بھائیوں کو اور مولانا مسعود ازہر حفظہ اللہ کو سلام پیش کرتی ہوں۔ میں بچپن سے مسلمان بچے رسالہ پڑھتی آئی ہوں۔

ماشاء اللہ ہر بار کی طرح اس بار بھی ''مسلمان بچے'' رسالہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت یہ عمدہ تھی ہمیشہ سے اس بار بھی ہر کہانی بہت اچھی تھی۔ تمام قارئین کو میری طرف سے بہت بہت داد، امید ہے، میرا پہلا خط آپ ضرور شائع کریں گے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمان بچے رسالے کے لئے ترقی کے راہیں ہموار کریں اس کے ساتھ ہی اجازت دیجئے اپنی بہن کو۔

والسلام۔

عروج جوہر، چارسدہ

☆......☆......☆

جناب محترم مدیر صاحب!!

امید کرتی ہو آپ سب خیریت سے ہونگے اس ماہ کا رسالہ بہت شاندار اور بہت پرکیف تھا۔

ماشاء اللہ تمام تحریریں بہت ہی شاندار تھی اور تمام کہانیاں بہت کمال ہیں اور ٹیپو سلطان وہ تو مسلمان بچے کی جان ہے۔ ماشاء اللہ

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدیر صاحب اور امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

میری چھوٹی درخواست ہے کہ میں ایک تحریر بھیج رہی ہو وہ شائع فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائے گا آپ کی مہربانی ہوگی۔

آخر میں میری طرف سے حضرت امیر صاحب حفظہ اللہ کو میرا سلام۔

والسلام: عائشہ فاروق

☆......☆......☆

تحریروں کی دُنیا



حضرت عمر بن عبدالعزیز

اگر بزرگوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ایک اہم نام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی ملتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسلام کا عملی نمونہ تھے۔ان کی شخصیت کی قابل ذکر خوبی ان کا عدل وانصاف اور ان کے عمدہ اخلاق تھے۔ان سے بھی قبل حضرت عمر فاروقؓ ایک عادل حکمران گزرے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کے عدل کے قیام کی اس مماثلت کی وجہ سے ''عمر ثانی'' کا لقب دیا گیا ہے۔متعدد مصنفین کے نزدیک آپ کی شخصیت کی عظمت کی بناء پر انہیں پانچواں خلیفہ راشد گردانا گیا ہے۔

آپ سے پہلے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے خلافت کی۔امام رجاء بن حیوہ جنہیں کئی صحابہ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا اس دور کے سب سے بڑے عالم تصور کیے جاتے تھے۔ان کو خلیفہ وقت کا اعتماد حاصل تھا۔جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بستر مرگ پر اپنے بیٹے داؤد یا ایوب کو خلیفہ بنانا چاہ رہے تھے تو اس وقت امام رجاء بن حیوہ کی مداخلت اور مشاورت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام طے پایا۔

خلیفہ نے مخالفت کے خوف کا اظہار کیا تو امام رجاء بن حیوہ نے خلیفہ کی ہمت بندھائی۔

بالآخر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے جب مسند خلافت سنبھالی اس وقت شریعت کے اصولوں کی پابندی کا تصور ختم ہوتا جارہا تھا اور بادشاہت پروان پا رہی تھی۔ اگرچہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دور میں اصلاح کے لیے اپنی سی کوششیں کیں مگر اس دور کے علماء کو مطمئن نہ کرسکے۔

خلافت سے قبل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا طرز زندگی شاہانہ تھا اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے آپ مشک سے تر نفیس لباس زیب تن کرتے تھے جہاں سے گزرتے ہر طرف خوشبو پھیل کر آپ کی آمد کی خبر دیتی۔ مگر منصب خلافت کے اعلان کے ساتھ ہی انقلاب آگیا۔

خلافت کے پہلے خطبے کے ساتھ ہی شاہی سواری کی بجائے ذاتی خچر کو ترجیح دی۔ اصلاحات کا آغاز اپنے خاندان سے کیا اور تمام دولت بیت المال میں جمع کرائی۔ گزشتہ حکمرانوں کا قبضہ شدہ مال حقداروں تک پہنچایا اور ظالمانہ ٹیکسوں کو ختم کردیا۔

خدا خوفی کا اس قدر غلبہ تھا کہ دن بھر امور خلافت سرانجام دینے کے باوجود راتوں کو اٹھ کر بارگاہ الٰہی میں روتے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ سرکاری باورچی خانے سے وضو کے لیے پانی گرم نہیں کرتے تھے۔ خلافت سے پہلے خوش پوشاک کہلائے جانے والے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ایک ہی لباس رہ گیا تھا جسے دھو دھو کر پہنا کرتے۔ انصاف کے قیام اور عوام کی خدمت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی۔

انہوں نے اڑھائی سال حکومت کی مگر اس مختصر عرصے میں ترقی اور خوشحالی کا یہ حال تھا کہ زکوۃ اور صدقات کا مال آتا مگر کوئی حقدار نہ ملتا، کوئی ضرورت مند میسر نہ آتا۔

آپ کی حکومت کا اصول مساوات اور عدل وانصاف پر مبنی تھا۔ آپ نہ صرف ملکی بلکہ معاشرتی اور ذاتی زندگی میں بھی اسی اصول پر عمل پیرا رہے۔ جب بنی امیہ کے دوسرے خلفاء نے وفات پائی تو لاکھوں، کروڑوں دینار ترکے میں چھوڑے جبکہ آپ کی وفات کے وقت کل سترہ دینار تھے جو کفن دفن کے اخراجات پر خرچ ہونے کے بعد دس دینار رہ گئے جو کہ ورثا میں تقسیم ہوئے۔ غرض حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت مکمل طور پر اسلامی دور حکمت کا عکس تھا۔

موجودہ دور کے حکمرانوں کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ قابل تقلید نمونہ ہیں۔ اگر آج ہم اپنے ماضی کے کامیاب حکمرانوں کے طریقوں کو اپنائیں تو وہ دن دور نہیں جب کامیابی ہمارے قدم چومنے لگے اور ترقی ہمارے گھر کی لونڈی بنے۔ اللہ تعالیٰ حکمران وقت کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے۔ آمین

(از: انیسہ عائش۔ قصور)

☆......☆......☆

گھوڑے ۔ایک زبردست نعمت

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ایک گھوڑے کی پیشانی کے بال انگلی سے ملتے ہوئے فرما رہے تھے قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی کے ساتھ برکت بندھی ہوئی ہے یعنی ثواب اور غنیمت“ ۔(صحیح مسلم:4847)

قارئین کرام اللہ تعالی نے انسان کے لیے اس دنیا میں بے شمار نعمتیں رکھی ہیں ۔انہیں نعمتوں میں سے ایک نعمت اللہ کی مخلوق گھوڑے ہیں ۔گھوڑے کا بچہ پیدا ہونے کے کچھ ہی دیر بعد کھڑا ہونے اور بھاگنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔اوسطاً گھوڑوں کی عمر 25 سے 30 سال تک ہوتی ہے۔

دنیا میں اس وقت گھوڑوں کی 300 سے زیادہ اقسام ہیں جو مختلف کام سرانجام دیتی ہیں۔

گھوڑے کی اونچائی کا اندازہ اس کی پشت کے اس مقام سے لگایا جاتا ہے جہاں گردن اور پشت ملتے ہیں ۔سر اور گردن کو اس لیے پیمائش کے لیے نہیں مانا جاتا کہ دونوں اوپر نیچے حرکت کر سکتے ہیں ۔گھوڑوں کی کھال کے رنگ اور نشانات بہت مختلف ہو سکتے ہیں ۔عموماً گھوڑے کی نسل اور جنس سے قبل اس کے رنگ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ہی رنگ والے گھوڑوں کو ان کی کھال پر موجود سفید چتیوں سے ممیز کیا جاتا ہے ۔اخروٹی، سرخی مائل اور کالا، گھوڑوں میں یہ تین بنیادی رنگ سمجھے جاتے ہیں ۔گھوڑے کی کھال کا رنگ عموماً کالا ہوتا ہے تاہم سفید چتیوں کے نیچے والے حصے کی کھال گلابی رنگ کی ہوتی ہے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بہترین گھوڑا وہ ہے جو سیاہ ہو اور اس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو ،اس کا اوپر والا ہونٹ یا ناک سفید ہو، پھر وہ جس کی تین ٹانگیں سفید ہوں اور آگے والی دائیں ٹانگ گھوڑے کے رنگ کی ہو، اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو پھر وہ جس میں قدرے سرخی اور قدرے سیاہی ہو اور اس کے کان سیاہ ہوں وہ بھی اس کی مثل ہے“ ۔(جامع الترمذی :1696)اور اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،”سرخ رنگ کے گھوڑے میں برکت ہے“ ۔(ابوداؤد:2545)

آپ کو یہ جان کر حیران ہوں گے کہ گھوڑے کے جسم میں عموماً205 ہڈیاں ہوتی ہیں ۔انسان اور گھوڑے کے ڈھانچے میں ہنسلی کی ہڈی کا فرق ہوتا ہے ۔گھوڑوں میں یہ ہڈی نہیں ہوتی اور اگلی ٹانگیں براہِ راست ریڑھ کی ہڈی سے جڑی ہوتی ہیں ۔گھوڑے کی ٹانگیں اور سم بھی منفرد ہیں ۔500 کلو وزنی ایک گھوڑا عموماً 7 سے 11 کلو تک خوراک اور 38 سے 45 لیٹر تک پانی پی

لیتا ہے۔گھوڑے جگالی نہیں کرتے اور نہ ہی الٹی کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے گھوڑوں میں قولنج موت کی عام وجہ ہے۔گھوڑے 350 زاویے سے زیادہ دیکھ سکتے ہیں۔تقریباً 65 زاویے دونوں آنکھوں سے جبکہ باقی 285 زاویے جتنا ایک یا دوسری آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

دن اور رات دونوں ہی وقت گھوڑے کی نظر بہت تیز ہوتی ہے تاہم گھوڑے تمام رنگ نہیں دیکھ سکتے۔گھوڑے کی قوتِ سماعت بہت تیز ہوتی ہے اور ان کے کان 180 زاویے تک مڑ جاتے ہیں۔

اس طرح سر کو حرکت دیے بغیر گھوڑے ہر طرف کی آواز سن سکتے ہیں۔ ان کی قوتِ شامہ بہت تیز ہوتی ہے تاہم گھوڑے سونگھنے کی بجائے قوتِ بصارت پر زیادہ بھروسا کرتے ہیں۔

تمام گھوڑے چار بنیادی چالیں چلتے ہیں۔ پہلی چال میں ہر پاؤں الگ الگ زمین پر پڑتا ہے اور عمومی رفتار 6. 4 کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔دوسری چال ڈلکی کہلاتی ہے اور 13 سے 19 کلومیٹر فی گھنٹہ تیز ہوتی ہے۔تیسری چال میں تین آوازیں پیدا ہوتی ہیں اور رفتار 19 تا 24 کلومیٹر فی گھنٹہ ہو سکتی ہے۔ چوتھی چال سرپٹ ہوتی ہے جو 40 سے 48 کلومیٹر گھنٹہ ہوتی ہے۔ تاہم تیز ترین گھوڑے کی سرپٹ مختصر فاصلے کے لیے 88 کلومیٹر فی گھنٹہ بھی ماپی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں جن سے گھوڑوں کی فضیلت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

”ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم۔پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم۔پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم۔پس اس وقت گرد وغبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں“۔(العادیات 1-5)

اس وقت تمام اسلامی ممالک کے گھوڑوں کی تعداد کفار ممالک کے مقابلے کم ہے۔اس لیے ہمیں قرآن حکیم کی آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے گھوڑوں کی افزائش پر توجہ دینی ہوگی اور گھڑ سواری خود سیکھ کر اپنے بچوں کو اس کی ترغیب دینے کی ضرورت ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے اللہ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کہ وعدے کو سچا جانتے ہوئے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا تو اس کی شکم سیری اور سیرابی اس کی لید اور اس کا پیشاب روزِ قیامت اس کے میزان (نیکیوں کے پلڑے) میں ہوں گے“۔
(بخاری:2853)

مراسلہ: حبیب اللہ

☆......☆......☆

آرٹ گیلری

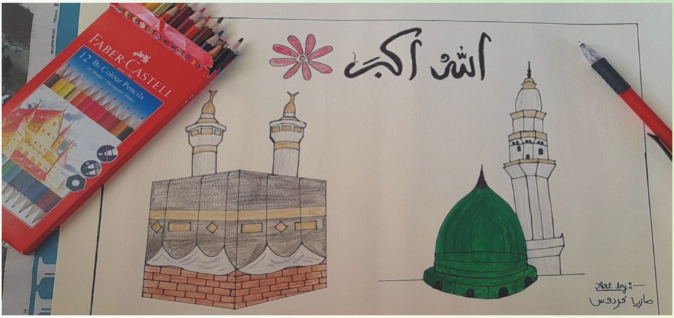

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم


محمد رسول اللہ


Afia Zulfiqar And
Arfa Zulfiqar


اللہ اکبر




FABER-CASTELL
12 Bi-Colour Pencils
اللہ اکبر
Art by:-
ماریہ فردوس


Mikail Çiftçi




یا کریم


الحمد لله

رفعت و عظمت

خاک پہ سنگ زنی اور مدارت کہاں؟
لے کر پہنچی تجھے معراج کی وہ رات کہاں؟

تیری آہٹ پر حجابوں کے جگر چاک ہوئے
ہے لقب خاک نشیں اور ملاقات کہاں؟

تیری رفعت کو کرے عرش بھی جھک کر سلام
تو بشر ذات مگر تیرے مقامات کہاں؟

قاب قوسین کی سرحد ہے رسائی تیری
گھر میں فاقے ہیں ادھر اور یہ درجات کہاں؟

یہ کرشمہ تیری عظمت کی ادا ہے ورنہ
عشق میں تاب کہاں، حسن کی برسات کہاں؟

تیری رحمت نے کبھی پیار سے دیکھا ہوگا
مجھ گنہگار پہ ورنہ یہ عنایات کہاں؟

تیری مدحت سے ملے نکہت الفاظ کو رنگ
تیرے انورؔ کی وگرنہ تو یہ اوقات کہاں؟